تذکرہ

غیر مسلم شعرائے بدایوں

شاداب ذکی بدایونی

ضابطہ

نام مصنّف	شاداب ذکی بدایونی
نام کتاب	تذکرہ غیر مسلم شعرائے بدایوں
نام ناشر	شاداب ذکی بدایونی
سال اشاعت	۱۹۸۷ء
تعداد بارِ اوّل	۶۰۰
خوشنویس	اختر حسین اختر بدایونی
مطبع	بریلی الیکٹرک پریس بریلی
قیمت	۳۰ روپے
زیرِ اہتمام	کامیاب ذکی بدایونی

ملنے کے پتے

- ذکی منزل ۔ محلہ سوتھا ۔ بدایوں ۔ یوپی
- ماڈرن بک اسٹال سبزی منڈی گیٹ بدایوں

انتساب

امّی - پاپا کے

نام

شمی شمس مدراسی — از حاکم مدراسی

یہ کتاب
فخر الدین علی احمد میموریل کمیٹی
حکومت اتر پردیش کے
مالی تعاون سے
شائع ہوئی
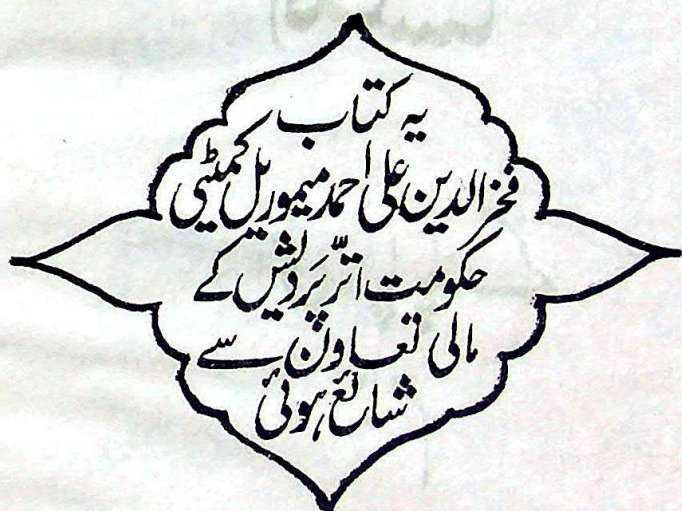
جناب
کالی داس گپتا رضاؔ
کی
نذر

حرفِ چند

کالی داس گپتا رضاؔ

پیش آہنگ

ڈاکٹر سیفی پریمی

اپنی بات

شادابؔ ذکی بدایونی

حرفِ چند

مجھے ادیبوں اور شاعروں کا مذہبی خانوں میں بانٹا جانا پسند نہیں ہے کیونکہ اس کا اثر دوررس اور مضر ہے۔ اردو شاعروں کے تمام تذکرے اٹھا کر دیکھ لیجیے ہندو شاعر، مسلمان شاعروں کے مقابلے میں دس فیصد سے زیادہ نہ نکلیں گے۔ اس طرح ہم یہ کہنے کا حق کھو بیٹھتے ہیں کہ اُردو زبان کی نشوونما میں ہندوؤں اور مسلمانوں کا مساوی حصّہ ہے۔ اب اگر ہندوستان کی کُل آبادی کو پیشِ نظر رکھا جائے تو ہندو شاعروں کی تعداد مٹھی بھر رہ جائے گی۔ مگر اس کا کیا کیا جائے کہ اس خطرے کے باوجود تذکرہ نگاری کو محدود کر کے صرف ہندو شاعروں تک محدود رکھنے کا رجحان کم از کم ایک صدی پہلے سے شروع ہو چکا تھا۔ اِس کی بیّن مثال "تذکرہ آثار الشعرائے ہنود" از دیبی پرشاد بشاش ہے۔ اِس کے بعد متعدد تذکرے لکھے گئے جو صرف ہندو شعراء پر مشتمل ہیں۔ تاہم اِس کا ایک روشن پہلو بھی ہے وہ یہ کہ اگرچہ یہ تذکرے صرف ہندو شاعروں تک محدود رہیں، مگر اُن کی تالیف میں مسلمان بھی برابر کے شریک ہیں۔ مثال کے طور پر "ہندو شعراء" (از خواجہ عشرت لکھنوی ۱۹۳۱ء) اور "جدید کے چند منتخب ہندو شعراء"

(از عبدالشکور۔ ۱۹۴۳ء) "ہندوؤں میں اردو" (از رفیق مارہروی تقریباً ۱۹۵۷ء) وغیرہ دیکھے جا سکتے ہیں۔ یہ اہلِ اردو کے عصبیت سے پاک ہونے کی دلیل ہے۔

جواں سال تذکرہ نگار شاداب ذکی بدایونی نے بھی ایسا ہی ایک تذکرہ تالیف کیا ہے اور اِس طرح ظاہراً محدود موضوع کو محدود بنا دیا ہے۔ یعنی تذکرہ زیرِ نظر غیر مسلم شاعروں ہی کا تذکرہ نہیں بلکہ صرف بدایوں کے غیر مسلم شاعروں کا تذکرہ ہے۔ اس نئے کتاب کا نام تذکرہ غیر مسلم شعرائے بدایوں رکھا ہے۔ موضوع کو محدود کرنے کا ایک فائدہ بھی ہوتا ہے وہ یہ کہ بات کھل کر کہی جا سکتی ہے۔ میں نے اس تذکرے کے کچھ اوراق ہی دیکھے ہیں۔ شاداب ذکی، شاعر و ادیب باپ کے شاعر و ادیب بیٹے ہیں اور صائب الرائے ہیں۔ لہٰذا یقین ہے کہ وہ اپنی خداداد اور خاندانی ذہانت کو بروئے کار لا کر ایک قابلِ مطالعہ تاریخی دستاویز اُردو کے قاری کو پیش کریں گے پرماتما حسنِ قبول عطا فرمائے۔

کالی داس گپتا رضا
۲۶ جنوری ۱۹۸۷ء

۴۳۔ اے۔ جل درشن
نیپین سی روڈ۔ بمبئی۔

پیش آہنگ

(تذکرہ غیر مسلم شعرائے بدایوں)

آج کل اِس قسم کی کتابیں بھی منظرِ عام پر آرہی ہیں۔ مثلاً ہندوؤں میں اردو' سکھوں میں اُردو' عیسائیوں میں اُردو وغیرہ وغیرہ — لیکن یہ کوئی نیا کام نہیں۔ فارسی اُردو تذکروں کی بڑی قدیم روایت ہے۔ اب آزاد ہندوستان میں صنعتی اور ٹکنالوجی کی ترقی نیز اُردو اکادمی کے قیام نے نئے وسائل اور مالی اشتراک کے مواقع فراہم کردیئے ہیں۔ اس لئے یہ کام آسانی سے ہو رہا ہے۔

"شاعری" عصری زندگی اور حسّیت کی ترسیل کا موثر ذریعہ ہے۔ اِن عصری آثار کو "نثر" محفوظ رکھتی ہے۔ ترجمے' قومی نشانات اور سرکاری سکّے بھی اس باب میں تاریخی رول ادا کرتے ہیں

دنیا کی کوئی زبان الہامی نہیں۔ عصری ضروریات اور عوامی زندگی کے تقاضے زبان کی ساخت' ترقی اور بقا کے ضامن ہوتے ہیں۔ یہاں تفصیل کا موقع نہیں۔ چند تاریخی اشارات کافی ہیں۔

(۱) محمود غزنوی کے اوّلین سکّے لاہور کی ٹکسال میں ڈھالے گئے۔ اُن پر سنسکرت حروف کندہ تھے۔

(٢) اکبرِ اعظم کے نورتن فیضی نے بھگوت گیتا کا ترجمہ فارسی میں کیا اور ملّا عبدالقادر بدایونی نے اس ادبی کام میں معاونت کی تھی۔

(٣) مغل تاجدار شاہجہاں کے فرزندارجمند دارا شکوہ نے اُپنشدوں کا ترجمہ فارسی میں کیا تھا۔ اِس مخطوطہ کا نام "سرِّ اکبر" ہے۔

(٤) اِس نایاب مخطوطہ کا اردو ترجمہ منشی کنھیّا لال الکھ دھاری نے لدھیانا میں چھپوایا تھا۔ اس کا نام "الکھ پرکاش" ہے۔

(٥) پنڈت ٹیکارام کشمیری نے بھگوت گیتا کا ترجمہ فارسی میں کیا تھا۔ منشی کنھیا لال الکھ دھاری نے اس فارسی ترجمہ سے اُردو ترجمہ کرکے چھپوایا اس کا نام "گیان پرکاش" ہے۔

تذکرہ کیا ہے۔؟

قدما میں یہ دستور تھا کہ بعض شاعر اور اہلِ علم اپنے پسندیدہ اشعار کو "بیاض" میں درج کر لیتے تھے۔ اِس انتخاب میں قدما سے معاصرین تک مشہور شعرا کے اشعار شامل ہوتے تھے۔ رفتہ رفتہ اشعار کے ساتھ شعرا کی زندگی کے مختصر اشارے بھی درج کئے جانے لگے۔ مولد و مسکن اور وفات کی نشاندہی بھی کی گئی۔ کسی کسی نے بعض اشعار کی پسندیدگی کا کوئی نکتہ بیان کر دیا۔ غرض یہ کہ امتدادِ زمانہ کے ساتھ "بیاض" کو ایک کارآمد ادبی نسخہ سمجھا جانے لگا اور بیاض نگاری کا فن اردو نثر میں داخل ہو گیا۔ گارساں دتاسی نے اپنے خطبات اور تاریخِ ادب ہندوستانی کے دیباچہ میں بیاض نگاری پر تفصیل سے لکھا ہے بیاض میں اشعار کو حروف تہجی یا ابجدی قاعدے سے لکھنا شروع ہوا اس میں شاعر کی سیرت، طرزِ معاش، حالاتِ حاضرہ کے اشارے تنقیص، تحسین کے چند نکات وغیرہ امور مختصر انداز میں پیش کئے گئے اور اب اس کا نام تذکرہ رکھا گیا۔ یوں سمجھئے کہ بیاض نگاری ہی تذکرہ نگاری کی اساس ہے۔

اُردو شعراء کے تذکروں میں میر تقی میر کا تذکرہ فارسی زبان میں نکات الشعرا (1752ء) کو اوّلین تذکرہ شمار کیا گیا ہے۔ یہاں نفسِ مضمون کی رعایت سے چند تذکروں کا ذکر ضروری سمجھتا ہوں۔

(۱) "آثار الشعرائے ہنود"۔ مولفہ دیبی پرشاد بشّاش لکھنوی۔

(۲) "بہارِ سخنِ زرّیں"۔ شیام پرشاد سندر لال۔

(۳) "ہندو شعرا"۔ عبدالروف عشرت۔

(۴) "خم خانۂ جاوید"۔ لالہ سری رام

(۵) "گلدستۂ نشاط"۔ منولال (1836ء) اشعارِ انتخاب

(۶) "چمن انداز"۔ درگا پرشاد نادر دہلوی (1876ء)

یہاں ایک نادر مخطوطہ فارسی "عیار الشعرا" (خوب چند ذکا) فراموش کرنے کی چیز نہیں۔ اُنہیں میاں نصیر سے تلمذ تھا۔ یہ ۱۲۱۳ھ کا ہے۔ اس مخطوطہ کو مغل بادشاہ (شاہ عالم آفتاب) کے نام سے شروع کیا گیا ہے اس میں 78 ہندو شعرا کا بیان ہے۔

یوں تو اُردو تذکرے اتنی بڑی تعداد میں لکھے گئے جن کا احاطہ کرنے کو مستقل کتاب درکار ہے۔ بہر حال مولانا محمد حسین کا تذکرہ "آبِ حیات" (1880ء) تحقیقی، تنقیدی، سیرتِ فنکار اور جدید اصولِ تذکرہ نگاری کے لحاظ سے قابلِ قدر چیز ہے۔

حضور! یہ ہے مشترکہ زبان کا جادو۔ اور ہندوستانی کلچر کی قدرِ مشترک! شاداب ذکی بدایونی نے اِسی قدیم روایت کو آگے بڑھایا ہے چوں کہ اُنھوں نے میکنیکل انجینئرنگ میں ڈپلوما حاصل کیا ہے اِس لئے ذہن سائنسی ہے۔ جستجو اور محنت طبعی عناصر ہیں۔ ان کی تالیف "انتخاب کلامِ ذکی" شائع ہو چکی ہے۔ مولف کے والد جناب ذکی تارگانوی کو سحابِ سخن مولانا ابر احسنی گنوری سے شرفِ تلمذ حاصل ہے۔

اب شاداب ذکی بدایونی نے "تذکرہ غیر مسلم شعرائے بدایوں" مرتب کیا ہے۔ ضلع بدایوں (یو۔پی) میں پانچ تحصیلیں شامل ہیں۔ (بدایوں، سہسوان، گنور، بسولی، داتا گنج) مرتب نے ان تحصیلوں اور اُن کے مواضعات کے غیر مسلم شعراء کے حالات قلم بند کئے ہیں۔

زیرِ نظر تذکرہ میں سب سے قدیم فارسی شاعر سہائے دہبی (1753ء) ساکن سہسوان۔ ایک اور صاحبِ دیوان شاعر رام دیال رسا (1816ء تا 1886ء) کا ذکر شامل ہے۔ بعض نامور شعرا کا سلسلہ تلمذ ملاحظہ فرمایئے۔

	تلمیذ	اُستاد
(۱)	نرائن پرشاد مہر	داغ دہلوی
(۲)	بانکے لال ناز	امیر مینائی
(۳)	منوہر سہائے انور	حالی پانی پتی
(۴)	لکشمی نرائن جوہر	مہاراج بہادر برق
(۵)	جسونت رائے رعنا	سیماب اکبر آبادی
(۶)	ہرش چندر رہبر	جامی بدایونی۔ جوش ملسیانی
(۷)	بسنت رائے منور	سرور جہان آبادی

اس تذکرہ میں نصف سترہویں صدی سے بیسویں صدی تک کے غیر مسلم شعراء کا بیان ہے۔

میں سمجھتا ہوں یہ تذکرہ 'تذکروں کے تذکرے' میں ایک مفید اضافہ ہے۔ شاداب ذکی بدایونی اس تدوینِ بہرہ ور کے لئے مبارکباد کے مستحق ہیں۔

ڈاکٹر سیفی پریمی
5.12.1985

"نگارستان"
ذاکر نگر، نئی دہلی۔ 110025

اپنی بات

کچھ لوگوں کا کام محض ملک کے امن و امان کو درہم برہم کرنا ہے کبھی وہ مذہب کے نام پر فساد کراتے ہیں تو کبھی صوبائی جھگڑوں کو جنم دے کر خوں ریزی اور کبھی زبان کو لے کر ایک نئے مسئلے کو پیدا کر دیتے ہیں یہ سب باتیں ملک کی ترقی کی راہ میں دشواری کا باعث بن جاتی ہیں۔ ایسے ہی لوگ اکثر اُردو کے خلاف ایک آواز بلند کرتے ہیں کہ اُردو مسلمانوں کی زبان ہے اس لئے ہمیں اِس کی ترقی کی راہ میں آڑے آنا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ بڑے ناسمجھ ہیں۔ اگر وہ ماضی کے اوراق پلٹ کر دیکھیں تو شاید کبھی اردو کو کسی ایک قوم کی زبان نہ کہیں۔ اردو کو صرف مسلمانوں کی زبان کہنا اس طرح بھی غلط ہے کہ وہ اسے اپنے ساتھ تو نہیں لائے تھے۔ بلکہ اس کا جنم ہندوستان کی دھرتی پر ہوا ہے اور اُن صوفیا نے اس کی پرورش کی ہے جن کے فقیری درباروں میں شاہ و گدا، ہندو مسلم کا کوئی امتیاز نہ تھا۔ جب یہ زبان یہاں پیدا ہوئی اور یہیں کے گنگا جمنی ماحول میں اس نے پرورش پائی تو اس پر ہندوستان کی ہر چیز کی طرح ہر ہندوستانی کا حق ہے۔ مخالفین اردو کی مخالفت کرنے کے باوجود اردو الفاظ کا استعمال کرتے ہیں کبھی اُنھوں نے غور کیا کہ ایسا کیوں کرتے ہیں۔

شاید اس لئے کہ اُردو اُن کے آبا و اجداد کی زبان رہی ہے اور بزرگوں کے خون کی طرح اُن کی رگوں میں دوڑ رہی ہے۔ سوال یہ ہے کہ چکبست، دیا شنکر نسیم درگا سہائے سرور، جوش ملسیانی، فراق گورکھپوری وغیرہ کیا مسلمان تھے؟ ہرگز نہیں۔ ماضی کو چھوڑ کر حال پر نظر ڈالئے تو مالک رام، جگناتھ آزاد، پروفیسر گوپی چند نارنگ، کالی داس گپتا رضا، کنور مہیندر سنگھ بیدی سحر وغیرہ وغیرہ جیسے سیکڑوں اردو کے شاعر وادیب غیر مسلم ہوتے ہوئے بھی اردو کو مادری زبان سمجھ رہے ہیں۔ لیکن کیا کہا جائے ان فرقہ پرست لوگوں کو جو ملک میں قومی یکجہتی کی جڑیں کھوکھلی کر دینا چاہتے ہیں۔

بقول ڈاکٹر شارب ردولوی "اردو ادب میں قومی یکجہتی کے تصوّر کی تلاش ایسی ہی ہے جیسے آفتاب میں روشنی کی تلاش، نغمہ میں نغمگی کی تلاش اور حق و صداقت میں سچائی کی تلاش"۔ اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ اردو قومی یکجہتی کی علم بردار ہے کیونکہ اس نے ہندوستان کے تمام مذاہب کو اپنے آغوش میں جگہ دی ہے اور یہ زبان ہندوستان کے ساتھ امر ہے۔

مٹ جائے کوششوں سے یہ ممکن نہیں ذکی
ہندوستاں کے ساتھ ہے اردو زباں کا نام
(ذکی تنا رگانوی)

اُتر پردیش کے مغربی اضلاع میں بدایوں ایک مردم خیز خطہ رہا ہے۔ بدایوں کی سرزمین نے علم و ادب کی بڑی خدمت کی ہے۔ یہاں کے ادبا و شعرا میں جہاں مسلمانوں نے ایوانِ اردو کو سجایا و سنوارا ہے وہیں غیر مسلموں نے بھی اس میں اپنی فکر کے چراغ روشن کئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ماضی کی طرح حال میں بھی یہاں غیر مسلم شعرا و ادیب موجود ہیں۔ حالانکہ اب اُن کی تعداد کافی کم ہے ایک عرصے سے تمنا تھی کہ بدایوں کے غیر مسلم شعرا کا ایک تذکرہ مرتب کیا جائے۔ آج مجھے خوشی ہے کہ یہ تمنا پوری ہو رہی ہے

تذکرہ میں شامل ۱۰۶ شعراء میں ۱۳ شعراء کے حالات یا کلام بالکل دستیاب نہ ہو سکا۔ اُن کے نام کتاب کے آخر میں درج ہیں۔ باقی ۹۳ شعراء میں ۷ مسیحی اور ۸۶ ہندو شاعر ہیں۔ کسی بھی تذکرہ نگار کی طرح مجھے بھی یہ دعویٰ نہیں ہے کہ اس کتاب میں تمام غیر مسلم شعراء کا احاطہ کر لیا ہے۔ البتہ جہاں تک ممکن ہو سکتا تھا میں نے کوشش کی۔ ساتھ ہی مزید تلاش بھی جاری ہے۔ اگر میں کچھ اور شعراء کو دریافت کر سکا تو انہیں الگ سے شائع کرنے کی کوشش کروں گا۔

کتاب میں بعض شعراء کا انتخاب کلام زیادہ شامل کیا گیا ہے کیونکہ اُن کا کلام آسانی سے دستیاب نہیں ہوتا اور اس طرح محفوظ ہو جائے گا

تذکرہ کی ترتیب میں بعض حیات شعراء کی تفصیلات حاصل کرنے میں زیادہ دشواری کا سامنا کرنا پڑا۔ میرے کئی کئی خط لکھنے کے باوجود اُنہوں نے کوئی توجہ نہ کی۔ ایسی ہی شکایت مرحوم شعراء کے چند عزیز و اقارب سے بھی ہے۔ اس کے برعکس کچھ مخلص ایسے بھی ہیں جنھوں نے ایک ہی خط کے جواب میں معلومات فراہم کر کے میری حوصلہ افزائی کی۔

غیر مسلم شعراء کی تلاش کے دوران دو ہندو ادیبوں کی تخلیقات بھی سامنے آئیں۔ ان میں ایک ٹھاکر دَل تھمن سنگھ تھے۔ ٹھاکر صاحب خورجہ ضلع بلند شہر میں تحصیلدار تھے اور آپ بھٹولی تحصیل داتا گنج ضلع بدایوں کے رئیس تھے۔ آپ نے مارچ سنہ ۱۹۰۱ء میں بعنوان "چھتری کل کھمن" یعنی تاریخ قدیم ابدر بست" ایک کتاب اردو میں لکھی تھی جو مطبع مفید عام آگرہ سے شائع ہوئی تھی۔ دوسرے منشی چھمن لال تھے۔ منشی جی نے "لغاتِ ہیرا" لکھی تھی جو ہیرا لال پرنٹنگ ورکس علی گڑھ میں طبع ہوئی تھی

دورِ حاضر میں جناب ویریندر پرشاد سکسینہ بدایونی کا شمار محققین میں ہوتا ہے۔ سکسینہ صاحب کے تحقیقی مضامین کا ایک مجموعہ بعنوان "ادبی زاویے"

(۱۹۸۵ء) منظرِ عام پر آچکا ہے اور کئی کتابیں منتظرِ اشاعت ہیں۔
میں ڈاکٹر حنیف نقوی، ڈاکٹر عرفان عباسی اور جناب ضیاء علیخاں اشرفی کا ممنون ہوں کہ اُنہوں نے اس کتاب کے سلسلے میں مفید معلومات سے نوازا۔
میں شکر گزار ہوں جناب کالی داس گپتا رضا اور ڈاکٹر سیفی پریمی کا کہ اُنہوں نے اپنی گراں قدر آراء سے نواز کر کتاب کی افادیت میں اضافہ کیا۔
آخر میں اپنے چھوٹے بھائی کامیاب ذکی کو دعائیں دیتا ہوں جس نے ہمیشہ کی طرح اس کتاب کی اشاعت کی تمام ذمہ داریاں سنبھالیں۔

شاداب ذکی بدایونی

نمبر شمار	عنوانات	نمبر صفحہ	نمبر شمار	عنوانات	نمبر صفحہ
۱	ارمان کنور بہادر سکینہ	۲۱	۱۸	جوش راد دھارمن	۵۲
۲	آزاد بنواری لال	۲۲	۱۹	جوش اوما شنکر	۵۷
۳	اسد جنگ بہادر جوہری	۲۴	۲۰	جوہر امبکا پرشاد	۵۷
۴	انور منوہر سہائے	۲۷	۲۱	جوہر لکشمی نرائن	۵۸
۵	اوج پیارے لال	۳۰	۲۲	جوہر ہردے نرائن	۶۲
۶	باپ مادھو رام	۳۱	۲۳	چندر چندر پرکاش دیکشت	۶۵
۷	برق چوبے متر سین	۳۳	۲۴	حاضر کالکا پرشاد	۶۷
۸	بسمل برج باشی لال	۳۶	۲۵	حضرت پنڈت دھرم نرائن	۶۸
۹	بسمل مدن موہن لال سری واستو	۳۶	۲۶	حیرت رابنسن جون	۷۸
۱۰	بھجا کنور بھجا سنگھ	۳۸	۲۷	خنداں خیراتی لال	۸۱
۱۱	بیتاب منشی گردھاری لال	۳۹	۲۸	دانا مٹھن لال	۸۵
۱۲	بیخود بابو رام شرما	۴۰	۲۹	دریا بنسی دھر	۸۵
۱۳	بیدم اننت رام	۴۱	۳۰	دستور ستیش چندر	۸۶
۱۴	تسلیم رام سہائے	۴۲	۳۱	راحت ٹھاکر گردھاری سنگھ	۸۷
۱۵	پریتم اوم پرکاش	۴۶	۳۲	راحت رام لال	۸۸
۱۶	پیارے پیارے لال	۴۸	۳۳	رامیش رامیشور دیال	۸۸
۱۷	جگموہن	۴۸	۳۴	رسا رکھی چند	۸۹

۳۵	رعنا جسونت رائے	۹۳	۵۸	فرحت رائے کرشن	۱۳۳
۳۶	رعنا کرشن چندر سکینہ	۹۶	۵۹	کاظم بہادر سنگھ	۱۳۴
۳۷	رہبر سرلش چندر جوہری	۱۰۰	۶۰	کمتر کنور بہادر ورما	۱۳۴
۳۸	رہبر رام سروپ	۱۰۲	۶۱	کمترو بنواری لال	۱۳۵
۳۹	زاد بانکے لال	۱۰۳	۶۲	گوہر گینڈن لال	۱۳۷
۴۰	سحر دیبی پرشاد	۱۰۴	۶۳	گوہری	۱۳۹
۴۱	شاکر نرائن داس	۱۰۹	۶۴	ماتھر بانکے لال	۱۴۰
۴۲	شاہد سیتی بہادر سکینہ	۱۰۹	۶۵	متین رام غلام	۱۴۱
۴۳	شہرت ناتھو رام شرما	۱۱۲	۶۶	محبوب ایس جے ولنگٹن	۱۴۲
۴۴	شہود بشمبر ناتھ	۱۱۳	۶۷	مخلص الن جون	۱۴۳
۴۵	شریر دین دیال	۱۱۴	۶۸	مخمور بسنت رائے	۱۴۵
۴۶	شعلہ نرائن داس	۱۱۵	۶۹	مخمور اجیشور پرشاد اگروال	۱۴۶
۴۷	شمیم اوما شنکر	۱۱۶	۷۰	مصر رام گوپال مصرا	۱۵۲
۴۸	شیام شیام ستوہر	۱۱۷	۷۱	مضطر انوکھے لال	۱۵۳
۴۹	صابر باسدیو سہلے	۱۱۷	۷۲	منظر چھوٹے لال گپتا	۱۵۵
۵۰	صہبائی سیتی پرشاد	۱۱۸	۷۳	موج	۱۵۸
۵۱	طالب گنگا دیال	۱۲۲	۷۴	مہر نرائن پرشاد ورما	۱۵۹
۵۲	طپاں سکھ لال	۱۲۳	۷۵	ناداں مہیش سروپ	۱۶۲
۵۳	عاجز گردھاری لال	۱۲۵	۷۶	ناہید اندرا بینس	۱۶۵
۵۴	عاجز پریم جون	۱۲۸	۷۷	نشتر ستیش چندر ورما	۱۶۶
۵۵	عبرت سلمی جون	۱۲۹	۷۸	نشتہ گھنشیام سکینہ	۱۶۸
۵۶	غم چھوٹے لال	۱۳۰	۷۹	نصیب ای ایس بینس	۱۷۰
۵۷	فارغ منگل سین	۱۳۱	۸۰	نگار شیوراج چندر سکینہ	۱۷۲

نمبر	نام	صفحہ	نمبر	نام	صفحہ
٨١	نمک رام جی مل	١٧٣	٨٩	احقر کیدار ناتھ	١٨٨
٨٢	وحشی مہیشور دیال سکسینہ	١٧٦	٩٠	بہجت دیا سروپ نگم	١٨٨
٨٣	وحشی جگدیش سرن سکسینہ	١٧٨	٩١	بسمل ایچ۔ ڈبلیو تیواری	١٨٩
٨٤	وحشی کرشن موہن جوہری	١٨٣	٩٢	رانا پرتاپ سنگھ	١٨٩
٨٥	ورما امبا پرشاد	١٨٤	٩٣	ساز کرشن بہاری ورما	١٩٠
٨٦	وکل سشیل چندر	١٨٦	٩٤	وہ شعرا جن کی تفصیلات دریافت نہ ہو سکیں	١٩٠
٨٧	واہتی ہر سہائے	١٨٧			
٨٨	ہمت ہمت سنگھ	١٨٨	٩٥	ماخذ	١٩١

مصنّف کی کتابیں

(۱) انتخابِ کلامِ ذکی — تلمیذ مرزا غالب

(۲) تذکرہ غیر مسلم شعرائے بدایوں — ۱۹۸۶ء

(۳) کاروانِ آہ — سحاب سخن آہ برا حسنی گنوری کے بدایونی تلامذہ کا تذکرہ۔

(۴) ہماری غزلیں — بدایوں کے چند شعراء کی ہم طرح غزلوں کا مجموعہ

زیر طبع

فکر کے چراغ — شعری مجموعہ

شناخت — بدایوں کے چند ادبا و شعراء پر تحقیقی مضامین

تذکرہ نثر نگارانِ بدایوں۔

ارمان

کنور بہادر سکسینہ نام اور ارمانؔ تخلص ہے۔ آپ بسولی ضلع بدایوں
[کے] رہنے والے ہیں۔ ابتدائی تعلیم بسولی میں ہی حاصل کی بعد میں مختلف
[مدا]رس کر ایم کام اور ایل۔ ایل۔ بی کی ڈگریاں لیں۔ آج کل دہلی میں مقیم ہیں
[اولا]د کی طرف سے بہت مطمئن ہیں۔ وہ سب اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں۔
شعر و شاعری کا ذوق بچپن سے ہے۔ بڑے باذوق انسان ہیں ـــ
[را]م موہن لال جگرؔ بریلوی (ف ۱۹۷۶ء) سے شرفِ تلمذ حاصل ہے۔

نمونہ کلام

تیرگی بغض و کدورت کی کہاں تھی پہلے
یہی انساں تھے یہی بزمِ جہاں تھی پہلے

بحرِ الفت میں تلاطم کئی آئے لیکن
میری کشتی ہے وہیں اب بھی جہاں تھی پہلے

اب وہ آنکھوں میں مری آتی ہے پانی ہو کر
آگ جو سینۂ سوزاں میں نہاں تھی پہلے

کس طرح ابرِ الم مطلعِ دل سے چھٹتا
آہ کرنے کی اجازت ہی کہاں تھی پہلے

اب حصولِ مہ و انجم کے لئے ہے کوشاں
اتنی جرأت دلِ انساں میں کہاں تھی پہلے

آپ کے لب پہ مری بات کہاں تھی پہلے
جذبِ دل میں یہ کرامات کہاں تھی پہلے"

شمعِ اُمید! ترے لطف و کرم کے صدقے
اتنی پُر نور مری رات کہاں تھی پہلے

ہمہ تن آہ تھے ہم اشک کہاں بہتے تھے
ابر ہی ابر تھا برسات کہاں تھی پہلے

میرے دامن میں دُرِ اشک کہاں تھے اتنے
تیرے الطاف کی بہتات کہاں تھی پہلے

صورتِ تیر اُتر جاتے ہیں دل میں ارماں
تیرے اشعار میں یہ بات کہاں تھی پہلے

آزاد

بنواری لال نام آزاد تخلص ہے۔ ۱۴ ستمبر ۱۹۱۴ء کو بسولی میں منشی گنگا رام کے یہاں پیدا ہوئے۔ آزاد اردو ہندی میں مڈل پاس ہیں۔ ۱۹۳۷ء میں ججس کورٹ میں ملازم ہوئے اور فروری ۱۹۷۰ء میں ریٹائر ہوگئے آپ ہومیوپیتھک کے ڈاکٹر بھی ہیں۔ ۱۹۴۴ء سے اس پیشے کی بدولت عوام الناس کی خدمت کر رہے ہیں۔ ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد سے آپ اِس طرف زیادہ وقت دیتے ہیں۔ آزاد صاحب کی پہلی

ماخذ:۔ "لعل گوہر" (یہ گلدستہ یوم برق کے سلور جوبلی مشاعرے پر ۱۹۶۱ء میں شائع ہوا تھا)

شادی ۱۹۳۲ء میں ہوئی۔ پہلی بیوی کے انتقال (۱۹۴۲ء) کے بعد دوسری شادی ۱۹۴۸ء میں اور تیسری ۱۹۵۲ء میں کی۔ اولاد میں تین لڑکیاں اور اور ایک لڑکا ہے۔

آزاد صاحب کی شاعری کا آغاز ۱۹۳۸ء میں ہوا۔ آپ حکیم لکشمی نرائن جوہر (ف ۱۹۶۳ء) کے تلامذہ میں شامل ہیں۔ آپ کا کلام اردو ہندی کے اخبارات میں شائع ہوتا رہا ہے۔ اب فکرِ سخن کم ہو گئی ہے۔ اسی وجہ سے مشاعروں میں شریک نہیں ہوتے ہیں۔ آزاد صاحب اگر فکرِ سخن کو جاری رکھتے تو یقیناً کلام میں مزید پختگی آتی۔

نمونہ کلام

روشنی بخش دی زمانے کو پھونک کر اپنے آشیانے کو
تنکے چلتے ہیں آشیانے کو اپنی تقدیر آزمانے کو

ہم نے آزاد یہ بھی دیکھ لیا
مِٹ گئے خود جو تھے مٹانے کو

پلٹ جاتا ہوں اِک دم جب کبھی منزل پہ آتا ہوں
زمیں اِک دائرہ ہے چلتے چلتے گھوم جاتا ہوں

محوِ سفر تو ہیں مگر اتنی خبر نہیں جانا کہاں ہے اور چلے تھے کہاں سے ہم

آزاد سمندر میں قطروں کی کہاں گنتی ہنگامۂ دنیا میں انساں کی حقیقت کیا

دلِ آزاد اِک ناچیز تر ہے ترا فضل و کرم اِک بحر و بر ہے

سیکڑوں رنج و غم اُٹھائے ہیں　　تب تری ہم نظر میں آئے ہ

وہ دل ہی کیا جو ترے غم میں بیقرار نہیں
وہ آنکھ کیا جو محبت میں اشکبار نہیں

اُس کو جینے کا غم نہیں آزاد　　دوسروں کا جو غمگسار نہیں

عبث ہے نیک و بد کی آرزو آزاد دنیا میں
فنا کے بعد قدرِ زندگی معلوم ہوتی ہے

مجبور کر رہی ہیں زمانے کی کروٹیں
تنگ آ گئے ہیں گردشِ دورِ جہاں سے ہم

آدمی خود بُرا نہیں ہوتا　　وقت اُس کو بُرا بناتا ہے

اسد

نام جنگ بہادر جوہری تخلص اسد ہے آپ جولائی سنہ ۱۹۱۱ء میں
مادھو رام بابو بدایونی کے گھر پیدا ہوئے۔ زمانے کے رواج کے مطاب
ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کرنے کے بعد سنہ ۱۹۳۰ء میں گورنمنٹ ہائی اسکول
بدایوں سے ہائی اسکول کا اِمتحان پاس کیا۔ انٹرمیجیٹ کے اِمتحان میں

بھی شریک ہوئے لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔ ۱۹۳۰ء میں بدایوں کلکٹری میں ملازم ہوئے اور ۱۹۶۹ء میں سٹی مجسٹریٹ کے پیشکار کی حیثیت سے رٹائر ہوئے۔ آپ کی شادی ۱۹۳۰ء میں بسولی ضلع بدایوں سے ہوئی۔ اولاد میں دو لڑکے اور تین لڑکیاں ہیں۔

اسد صاحب کی پرورش ایسے گھر میں ہوئی جہاں اُردو شاعری کا چرچا تھا۔ اس ماحول نے آپ کو متاثر تو ضرور کیا لیکن آپ اس کا اظہار والد کی زندگی میں نہ کر سکے۔ اُن کے انتقال کے بعد یعنی ۱۹۳۸ء سے آپ نے باقاعدہ شعر کہنا شروع کیا۔ کافی عرصے کے بعد آپ نے مولانا ابر احسنی گنوری کے حلقۂ تلامذہ میں داخل ہو کر چند غزلیں دکھائیں آپ کے سیوتی پرشاد صہبائی اور جویا آنولوی سے خصوصی مراسم رہے ہیں

اسد صاحب کی مشقِ سخن کی رفتار کافی سست رہی لیکن وہ پھر بھی دل کی بات نہایت سادگی سے کہہ جاتے ہیں۔

لہ احمد بخش نام ابر تخلص۔ والد ماجد کا نام نبی بخش تھا۔ ۱۸۹۷ء میں پیدا ہوئے۔ تعلیم سے فراغت کے بعد ملازمت کے سلسلے میں وطن کے باہر بھی مقیم رہے۔ ادبی ذوق بچپن سے تھا۔ ابتدا میں سخاوت حسین سخا شاہجہانپوری کے شاگرد ہوئے۔ بعد میں مولانا احسن مارہروی تلمیذ داغ کے ارشدِ تلامذہ میں شامل ہو گئے۔ ابر صاحب کے تلامذہ کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ آپ کی تصانیف میں اصلاح الاصلاح (۱۹۴۹ء)، سفینے (۱۹۵۲ء)، نگینے (۱۹۵۲ء) میری اصلاحیں حصہ اوّل (۱۹۵۶ء)، میری اصلاحیں حصہ دوم (۱۹۶۶ء) قرینے (۱۹۶۳ء)، شبینے (۱۹۶۸ء) اور خزینے (۱۹۷۳ء) ہیں۔ آپ کا شمار ہندوستان کے معتبر و مستند شعرا میں ہوتا تھا۔ آپ نے استاد کی یاد میں ایک رسالہ "احسن" بھی جاری کیا۔ ابر صاحب کا قتل ۱۹۷۳ء میں نامعلوم لوگوں نے کر دیا۔ شاداب کی

نمونہ کلام

بغیر نیت ساقی فروغِ جام کیا ہوگا — مری تشنہ لبی پر میکدے کا نام کیا ہوگا
گلستاں میں گلِ تر نے یہ پوچھا سوزِ بلبل سے — ترے انجام سے پہلے مرا انجام کیا ہوگا

اسد کی زندگانی سے زمانہ خوب واقف ہے
محبت کے سوا اِس رند کا پیغام کیا ہوگا

نہیں یہ کہ سرو سمن دیکھنا ہے — بہاروں پہ اپنا وطن دیکھنا ہے
جہاں اُن کے گیسو وہاں اُلجھی دنیا — محبت میں رنگِ ختن دیکھنا ہے
کھلے پھول سینے میں داغوں کی صورت — تم آؤ اگر یہ چمن دیکھنا ہے
وطن کو اُٹھاؤ وطن کو بڑھاؤ — وطن میں عروجِ چمن دیکھنا ہے

پہنچے خود آپ بڑھ کے اُنہیں منزلِ مراد — جو لوگ گر کے راہِ وفا میں سنبھل گئے
ساقی سے ہم کو نسبتِ دیرینہ تھی اسد — ساقی نے جب بلایا تو ہم سر کے بل گئے

اپنے ہونٹوں پہ اگر ذکرِ بتاں ہوتا ہے — سادہ اشعار میں بھی حسنِ بیاں ہوتا ہے
تم سمجھتے ہی نہیں رنج و مصیبت کا مقام — چوٹ لگتی ہے جہاں درد وہاں ہوتا ہے
پے بہ پے جام چھلکتے ہیں اُسی کی خاطر — جس کا ہمدرد کوئی پیرِ مغاں ہوتا ہے

جو تم سا دل رُبا کوئی نہیں ہے — تو مجھ سا باوفا کوئی نہیں ہے
مرے دل کی دوا کوئی نہیں ہے — مسیحا کیا کہا کوئی نہیں ہے
یہ سب ہیں دشمنوں کے منہ کی باتیں — اسد تم سے خفا کوئی نہیں ہے

منوہر سہائے نام اور انورؔ تخلص تھا۔ آپ یکم جنوری ۱۹۰۱ء کو سہسوان ضلع بدایوں میں پیدا ہوئے لیکن میرے ہم وطن ادیب جناب ویریندر پرشاد سکسینہ نے انورؔ کی تاریخ پیدائش ۳۱ر دسمبر ۱۹۰۰ء تحریر کی ہے اور حوالے میں انورؔ کی خودنوشت سوانح عمری سے ذیل اقتباس پیش کیا ہے۔

"میں نے بیسویں صدی کے پہلے سال پہلے ماہ پہلے ہفتے پہلے دن کے بھی پہلے حصّے میں پہلی بار دنیا دیکھی"۔[۱]

اس حوالے سے خدا جانے سکسینہ صاحب نے کیسے ۳۱ر دسمبر ۱۹۰۰ء تاریخ نکال لی۔ جب کہ میری ناقص رائے میں اس اقتباس سے یکم جنوری ۱۹۰۱ء ہی واضح ہوتی ہے۔ اس کی مزید تصدیق ایک خط[۲] سے ہوتی ہے جو اُنہوں نے دیوان تصورؔ کو تحریر کیا تھا جس میں خودنوشت سوانحی اشارے تحریر فرمائے تھے۔

"تاریخ پیدائش یکم جنوری ۱۹۰۱ء"

انورؔ کا تعلق سکسینہ کائستھ گھرانے سے تھا۔ آپ کے والد نارائن پرشاد مہرؔ (ف ۱۹۴۳ء) تھے۔ انورؔ اپنی والدہ کی آخری اولاد تھے آپ کی پیدائش کے سات سال بعد والدہ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ آپ کی پرورش ننھیال میں ہوئی آپ کے پرنانا دیوان نرنجن سہائے شائقؔ (ف ۱۹۰۷ء) اور نانا دیوان ریوتی سہائے رحیقیؔ (ف ۱۹۱۶ء) فارسی کے عالم اور شاعر تھے ان بزرگوں کی نگرانی میں تعلیم کا آغاز فارسی سے ہوا۔ انگریزی تعلیم کی

۱؎ قومی زبان کراچی ... اپریل ۱۹۵۶ء ۲؎ ہماری زبان یکم ... ۱۹۵۵ء

غرض سے ۱۹۰۱ء میں ساتویں جماعت میں ٹونک میں داخلہ لیا جہاں آپ
کے نانا مقیم تھے اُن کے انتقال کے بعد آپ لاہور چلے آئے اور یہاں آکر
پنجاب یونیورسٹی سے ایم۔ اے اور ایم۔ اُو۔ ایل کی ڈگریاں حاصل کیں۔
۱۹۵۰ء میں آپ کے تحقیقی مقالے "خان آرزو" (انگریزی) پر پنجاب
یونیورسٹی نے پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری دی۔ آپ ڈی۔ اے۔ وی کالج لاہور
میں فارسی کے پروفیسر بھی رہے۔ ۱۹۵۵ء میں پنجاب لیجسلیٹو اسمبلی سے
بحیثیت سپرنٹنڈنٹ رہ کر ریٹائر ہوئے۔ اس کے بعد پنجاب یونیورسٹی میں
ہیڈ آف دی ڈپارٹمنٹ عربی، فارسی و اُردو رہے اور ہندوستان کی چار
یونیورسٹیوں کے پیپر سیٹر اور اکزامنر بھی رہے۔ ساتھ ہی ڈپارٹمنٹ آف
جرنلزم پنجاب یونیورسٹی میں لکچر بھی دیئے۔ ڈاکٹر صاحب کا انتقال فروری
۱۹۷۶ء میں دہلی میں ہوا۔ دو بیٹے اور دو بیٹیاں آپ کی یادگار ہیں۔
انور صاحب کی پرورش خالص ادبی ماحول میں ہوئی آپ نے ابتدا
میں فارسی میں شعر کہنا شروع کیا۔ ابتدائی مشورے نانا سے لئے۔ بعد
میں اُنہیں نے آپ کا کلام الطاف حسین حالیؔ (ف ۱۹۱۴ء) کی خدمت
میں بغرض اصلاح بھیجا۔ اس طرح آپ کو غالبؔ کے چہیتے اور مشہور
شاگرد سے شرف تلمذ حاصل ہوا۔ ڈاکٹر صاحب نے کوئی تصنیف یادگار
نہیں چھوڑی۔ البتہ مجموعۂ کلام کی کتابت ہوئی تھی مگر انہیں دنوں
انتقال ہوجانے کے سبب وہ سب کچھ ضائع ہو گیا۔ ڈاکٹر صاحب کے
مضامین و کلام اکثر ہندوستان کے موقر رسائل کی زینت بنتا تھا۔ آپ کے
کلام میں زبان کی صفائی اور مضامین کی رنگا رنگی موجود ہے۔

نمونہ کلام

یہ مانا میرے غم کا آپ کو غم کم نہیں ہوتا
مگر کیا کیجئے غم سے علاج غم نہیں ہوتا

تمہیں جسے سحرک ایرانی انصر

کرم اُن کا بجائے خود ستم سے کم نہیں ہوتا
وہ جو غم بخشتے ہیں "غم برائے غم نہیں ہوتا
خدا نے بانٹ دی میراثِ آدم نسلِ آدم کو
نہیں ہوتے وہ "آدم زاد" جن کو غم نہیں ہوتا
ہزاروں بار اُس کافر کی صورت دیکھ لی انور
مگر یہ اشتیاقِ دید پھر بھی کم نہیں ہوتا

کیوں امتحاں ہے میرے سکون و ثبات کا
میں کب حریف ہوں ستم التفات کا

یا وہ خود چھا گئے دو عالم پر یا نظر کا بدل گیا انداز

ہم اپنی داستانِ خونچکاں لکھیں تو کیا لکھیں
پڑھی جاتی ہے کب ایسی کتاب اوّل سے آخر تک
سراسر میرے خط کی نقل اُس نے بھیج دی مجھ کو
دیا کیسا جوابِ لاجواب اوّل سے آخر تک
رہیں گے زیست پر سائے کبھی شادی کبھی غم کے
چلا کرتے ہیں تینوں ہم رکاب اوّل سے آخر تک

رہے کتنا بھی خوش انسان پھر بھی کمی محسوس ہوتی ہے خوشی میں
الٰہی خیر! پھر اک عمر کے بعد مزہ آنے لگا ہے زندگی میں
ترے لب کر رہے ہیں گلفشانی بانداز تکلم خامشی میں

کوئی دل درد سے خالی نہیں ہے　　کسی میں پھانس ہے کانٹا کسی میں
خود اپنا نام لے کر کسی کو　　پکارے جا رہا ہوں بیخودی میں

در پردہ میرے دل میں مکیں کون ہے تم ہو
کعبہ میں نہاں دشمنِ دیں کون ہے تم ہو
تکلیف جو پاتا ہی رہے کون ہے میں ہوں
تسکین جو دیتا ہی نہیں کون ہے تم ہو

مزہ آتا نہیں کچھ زندگی میں　　اِسی کا نام شاید زندگی ہے

ہمارے کان میں چپکے سے کہدو　　تمہیں بھی ہے محبت یا نہیں ہے
وہاں پہنچا دیا ہے بیخودی نے　　جہاں امروز ہے فردا نہیں ہے

تاریخِ وفاتِ نہرو :-

حضرتِ انور نے رحلت کی خبر سن کر کہا
"ہو گیا گُل ہند کا روشن چراغ اے وائے آج"

۱۹۶۴ء

اوج

مناسب قامت، خوب صورت، کھلتا ہوا رنگ، سڈول جسم، تنگ پائجامہ، شیروانی اور سر پہ ٹوپی لباس، خوش پوشاک ہونے کے ساتھ

خوش مزاج اور خوش مذاق آپ تھے۔ پیارے لال اوج گنوری۔ آپ گنور کے محلہ سرائے میں رہتے تھے۔ گنور کے کامیاب وکلا میں شمار کئے جاتے تھے۔ سماجی کاموں میں دلچسپی رکھتے تھے۔ خدمتا ہائی اسکول کی ورکنگ کمیٹی کے ممبر تھے

مطالعہ کا شوق تھا۔ اخبار "مدینہ" بجنور کا پابندی سے مطالعہ کرتے تھے۔ مشاعروں میں خوب شرکت کرتے تھے۔

نمونہ کلام

اُفق پہ اُدھر آفتاب آرہا ہے — اِدھر زندگی پر شباب آرہا ہے
ستم رانیوں کا جواب آرہا ہے — وہ محفل میں خانہ خراب آرہا ہے
رہے خیر ساقی ترے میکدے کی — کہ ہم تک تو جام شراب آرہا ہے
ہر اک بات پر وہ ہنسے جا رہے ہیں — سوالوں کا پیہم جواب آرہا ہے
مرے گھر میں ہے اوج وہ ماہ پیکر
رقیبوں میں روزِ حساب آرہا ہے

باپ

مادھورام نام باپ تخلص تھا۔ والد کا نام بسنت رائے سکسینہ تھا۔ آپ ڈاکخانے میں پوسٹ ماسٹر تھے۔ اولاد میں جنگ بہادر جوہری اسعد ہیں۔ مادھورام باپ کا انتقال ۵۵ سال کی عمر میں ۱۹۳۸ء میں بدایوں میں ہی ہوا۔

آپ قمرؔ[1] بدایونی اور جویاؔ آنولوی کے شاگرد رہے۔ صاحبِ دیوان تھے۔ لیکن افسوس اُن کا مجموعۂ کلام دستیاب نہیں ہوسکا۔ آپ اپنے زمانے کے اچھے مزاح نگار شعراء میں شمار ہوتے تھے۔

نمونہ کلام

کوئی ناخلف ایسا بیٹا نہ دیکھا
جسے باپ کو باپ کہنے میں شک ہے

کبھی ہاتھ میں تیرے ہچکا نہ دیکھا
ہمیشہ ٹکٹ پر اُڑائیں پتنگیں

---

[1] قمر الحسن نام قمرؔ تخلص تھا۔ والد کا اسم گرامی شیخ احسن علی تھا۔ یکم مارچ ۱۸۷۶ء کو بدایوں میں پیدا ہوئے۔ قمرؔ کی ابتدائی تعلیم زمانے کے دستور کے مطابق مکتب میں ہوئی۔ عربی فارسی کی مکتبی تعلیم کے بعد گورنمنٹ ہائی اسکول میں زیرِ تعلیم رہے۔ یہاں فانیؔ بدایونی اُن کے ہم جماعت تھے۔ دورانِ تعلیم ہی طبیعت شعر و شاعری کی طرف مائل ہوگئی تھی۔ چنانچہ ۱۹۰۲ء میں حافظ عبدالرحمٰن راسخؔ دہلوی (ف ۱۹۰۷ء) سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ قمرؔ بدایونی کا ذریعۂ معاش ساری زندگی قلم ہی رہا۔ ۱۹۰۶ء میں وہ "انڈین پنچ" کے ادارتی بورڈ میں شامل ہوئے۔ ۱۹۱۴ء میں "تبلیغ" آگرہ اور علی گڑھ میں شریک کار رہے ۱۹۲۶ء میں مولانا طفیل احمد منگلوری کے رسالے "سود مند" سے وابستہ ہوگئے آخری عمر میں اُنہوں نے خود کو نظامی پریس بدایوں کے لئے وقف کر دیا۔

وہ ایک اچھے استاد بھی تھے۔ ہم عصر رسائل میں اُن کا کلام اور مضامین شائع ہوتے تھے۔ اُنکی مطبوعہ کتابوں میں "دلہنوں کی مجلس"، "انوکھا فلاسفر"، "ننھی مینا"، "نادان دوست" "رسالہ توضیح القوافی"، "شانِ فاروق"، "مصور جذبات (۱۹۲۲ء)" "آئینہ جذبات (۱۹۳۰ء)" ہیں۔ قمرؔ کی شاعری زبان کی شاعری ہے اور وہ تمام خوبیاں اس میں پائی جاتی ہیں جو زبان کا حسن کہلاتی ہیں۔ سلاست، روانی، فرنگی، محاورے کی صفائی، بندش کی چستی وغیرہ۔ ۵ جولائی ۱۹۴۱ء میں وفات پائی۔ (مضمون حضرت ذکی تال گانوی)

برق

چوبے مستر سین نام اور برق تخلص تھا۔ آپ ۱۸۹۸ء میں چھیدا لال چترویدی کے گھر اجھیانی ضلع بدایوں میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اجھیانی میں حاصل کی۔ بعد میں بدایوں سے ہائی اسکول کا امتحان پاس کیا۔ گیارہ سال کی اوائل عمر میں شادی کے بندھن میں جکڑ دیئے گئے اولاد میں چھ لڑکے ہوئے جن میں پانچ حیات ہیں۔ برق کی سسرال جھاجر ضلع بلند شہر میں تھی۔ آپ کا آبائی پیشہ زمینداری تھا۔ اجھیانی میں کئی مکانات اور دکانیں تھیں۔ جو کرایہ پر تھیں۔ برق مجاہدِ آزادی تھے۔ آپ ۱۹۳۱ء میں جیل (بدایوں) میں رہے۔ آپ کا انتقال ۱۲ر دسمبر ۱۹۶۹ء کو اجھیانی میں ہی ہوا۔

شاعری کا شوق اوائل عمر سے ہی تھا۔ آپ محمد تقی خاں تقی[1] اجھیانوی کے شاگرد تھے۔ برق کا زیادہ وقت اہلِ ادب کی صحبت میں گزرتا تھا۔ ہندوستان کے کئی مشہور شعراء سے آپ کے قریبی تعلقات تھے۔ آپ اجھیانی میں اکثر ادبی نشستیں آراستہ کرتے تھے۔

نمونہ کلام

بصد رنگِ تنویر وہ دل میں آئے نظر جھک گئی ہوش کب رہنے پائے

---

[1] محمد تقی خاں تقی کا جنم ۲۴ر فروری ۱۸۷۴ء کو اجھیانی میں ہوا۔ والد کا نام محمد عزیز خاں تھا جو داروغہ تھے۔ تقی بھی پولیس میں ملازم تھے۔ ۱۹۲۷ء میں داروغہ کے عہدے سے ریٹائر ہوئے۔ ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد زیادہ وقت عبادت الٰہی میں گزارتے تھے۔ اچھے شاعر تھے۔

نہ سمجھے غمِ زیست ہے قصدِ منزل
کہ راہوں میں ہم کھو گئے وہ نہ پائے
یہ کیسی بہاریں ہیں جو اہلِ گلشن
دُعا مانگتے ہیں خزاں پھر سے آئے
نہیں جب کہ اپنوں پہ اپنا بھروسہ
تو پھر کُل زمانے کو کیوں آزمائے
قفس کا تھا غم جب خزاں تھی چمن میں
گریں بجلیاں دن بہاروں کے آئے

سُنا ہے وہ تسکینِ غم پر ہیں مائل
مگر برق جائے گا کیوں بے بُلائے

خود اپنے دیئے غم سے نا آشنا ہو
بڑے بے خبر ہو بڑے بے وفا ہو
ڈبونے پہ کشتی تلا ناخدا ہو
بھلا پھر کنارے کا کیا آسرا ہو
فسردہ کلی، زرد گل، قید بلبل
چمن میں پھر ایسی بہاروں کا کیا ہو
نہ جنّت کی خواہش، نہ حوروں کا چسکا
جہاں میں رہوں تیری جلوہ سرا ہو
اِدھر دید ہے اور اُدھر دلنوازی
نہ ہم بے خطا ہیں نہ تم بے خطا ہو
بھٹک کیوں نہ جائے وہ مایوسِ منزل
جسے رہبروں نے ہی دھوکا دیا ہو
یہ بزمِ بتاں برق اور سجدہ ریزی
بڑے متقی ہو بڑے پارسا ہو

موسمِ گل میں کوئی جاتا ہے گلشن کی طرف
ہم گلستاں سے بیاباں کی طرف آتے ہیں

نسیمِ چمن سوزِ جاں بن کے آئی
بہار آئی لیکن خزاں بن کے آئی

نظم :- "دورِ زمانہ" سے۔

ہیں حوادث کی ہوائیں، موسمِ ظلمات ہے
دن بھی اس دورِ زمانہ کا لشان رات ہے

ایک دل اور کل جہاں کا درد کوئی بات ہے
غم کو رونؤں یا دلِ درد آشنا کا غم کروں

دیکھ لیں دنیائے الفت کی نگاہیں دیکھ لیں
عشق کی رنگینیاں اور غم کی آہیں دیکھ لیں
کچھ نہ سمجھے سب وفا کی بارگاہیں دیکھ لیں
اب کہاں مہر و وفا کا بیٹھ کر ماتم کروں

جن کی خاطر خون کا ہم نے پسینہ کر دیا
مشکلیں آئیں تو آگے اپنا سینہ کر دیا
مبتدل دنیائے الفت نے قرینہ کر دیا
کوئی اپنا ہو تو عرضِ داستانِ غم کروں

وہ چتا بھڑکی وہ اُٹھا ایک نیلا سا دھواں
کس نے مارا ہاتھ سر پر کس کی کھنکی چوڑیاں
بھر رہا ہے داب کر سینہ وہ کوئی سسکیاں
اب سکونِ جاوداں کا عزم مستحکم کروں

ماخذ۔ بشکریہ جناب رام اوتار اجھیانی۔

متوسط قامت، گٹھیلا جسم، سانولی رنگت، چمک دار دانت، جسم پر قمیص، شیروانی، تنگ موری کا پاجامہ اور سر پر فلیٹ کیپ۔ آپ تھے کم آمیز مگر دوستوں میں زندہ دل گنور کے شاعر برج باشی لال بسمل بسمل کو مطالعہ اور اہلِ علم کی صحبت کا شوق تھا۔ کائستھ خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ڈسٹرکٹ بورڈ میں مدرس تھے۔ شاعری کا اچھا ذوق رکھتے تھے۔ اور مشاعروں میں بھی شریک ہوتے تھے۔

نمونہ کلام

آنچل میں ایک حسن فروزاں کبھی کبھی ‏ دیکھے ہیں ہم نے جشنِ چراغاں کبھی کبھی
آئی ہے یوں بھی فصلِ بہاراں کبھی کبھی ‏ گلنار ہو گیا ہے گریباں کبھی کبھی
یہ تو نہیں کہ حسن ہے یکسر قصوروار ‏ اُٹھا ہے زعمِ عشق سے طوفاں کبھی کبھی
اس عہدِ عاشقی میں ہماری تو بات کیا ‏ وہ بھی رہے ہیں کتنے پریشاں کبھی کبھی

بسمل نے ایک شب کوچۂ خوباں میں برملا
دیکھا ہے اپنے قتل کا ساماں کبھی کبھی

بسمل

نام مدن موہن لال شریواستو تخلص بسمل۔ ۱۹۰۱ء میں شری منولال شریواستو کے گھر بدایوں میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم زمانے کے رواج کے مطابق گھر پر ہوئی۔ بعد میں بی۔ اے اور ایل ایل بی کی ڈگریاں۔

حاصل کیں۔ اس کے بعد بدایوں دیوانی میں پریکٹس شروع کر دی۔ آخری عمر تک وکالت ذریعہ معاش رہی۔ آپ کی شادی موضع کوڑھا ضلع شاہجہاں پور سے شیو دیوی سریواستو (ف ۱۶ ستمبر ۱۹۸۳ء کانپور) سے ہوئی۔ اولاد میں — مالتی شریواستو، شیام موہن[1]، رام موہن شریواستو (برانچ منیجر اسٹیٹ بینک مؤ فیض آباد) پرمیشوری شریواستو، چندر موہن دنیش، کرانتی سنہا، پریم موہن سریواستو (برانچ منیجر اسٹیٹ بینک) سنتوش شریواستو، کویتا سکسینہ ہیں۔ بسمل کا انتقال یکم جون ۱۹۶۸ء کو ہوا

شاعری کا شوق اوائل عمر سے تھا۔ ادبی محفلوں میں شرکت فرماتے تھے۔ آپ کے احباب میں لکشمی ترائن جوہر بدایونی، سیوتی پرشاد صہبائی وغیرہ تھے۔ آپ نے گنگا اوترن پر ایک نظم لکھی تھی۔ کلام زیادہ دستیاب نہ ہو سکا۔ ایک غزل جو ۱۹۴۳ء کے مشاعرے میں بدایوں میں پڑھی تھی پیش ہے۔

نمونہ کلام

یہ اشک افشانیاں اچھی نہیں ہیں چشم گریاں کی
کہیں دنیا میں مٹ جائے نہ دنیا میرے ارماں کی

کرم سب پر ہے یکساں دور لیکن سب سے رہتا ہے
"کوئی دیکھے تو شوخی آفتاب جلوہ ساماں کی"

کہیں دنیا میں سودائے جنوں بے سود رہتا ہے
یہ دم تھا قیس کا جس سے بڑھی عظمت بیاباں کی

---

[1] جناب شیام موہن سکسینہ آکاش وانی رامپور میں سنگیت کے پروڈیوسر ہیں آپنے سنگیت میں کل ہند پیمانے پر شہرت حاصل کی ہے۔ ملک کے مشہور گائیکوں میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ غیر ممالک میں بھی پروگرام پیش کر چکے ہیں۔

نظر میں سب کی ہے گو آخری ہچکی کا نظارہ
مگر بھولے سے یاد آتی نہیں گورِ غریباں کی

نیا بدلا ہے پہلو اضطرابِ دل نے پھر کوئی
مجھے ہر ٹیس پھر آرامِ جاں ہے دردِ پنہاں کی

نگاہوں میں ہے جب تک عالمِ اسباب کا منظر
نظر آ ہی نہیں سکتی تجلی حسنِ پنہاں کی

عجب پُر کیف ہے بسمل سرورِ بادۂ مستی
کسی کو فکر دنیا میں ہے عقبیٰ کی نہ عصیاں کی

بُھجا سنگھ

کنور بھجا سنگھ سبل پور تحصیل داتا گنج بدایوں کے تعلقدار تھے آپ کی ایک طرحی غزل ماہنامہ "چمن سخن"[1] میں ملتی ہے جو مندرجہ ذیل مصرعہ طرح پر کہی گئی ہے۔ ع

کیوں خفا ہو گئے ہو کیا باعث

نمونہ کلام

میں نے پوچھا یہ ایک دن اُن سے — کیوں خفا ہو گئے ہو کیا باعث
نہ بلاتے ہو اور نہ آتے ہو — ربط کم کیوں کیا بلا باعث

---

[1] "چمن سخن" ۱۸۸۴ء میں "مطبع صبح" بدایوں سے شائع ہوتا تھا جس کو مولوی علی امجد حسین امجد ترتیب دیتے تھے ام کی مناسبت سے ماہنامے کے ٹائٹل پر (باقی صفحہ ۳۹ پر)

بیتابؔ

منشی گردھاری لال نام اور بیتابؔ تخلص تھا۔ آپ کے والد کا نام منشی پوشاکی لال تھا۔ آپ کا تعلق کالستھ گھرانے سے تھا۔ آپ باسدیو۔ سہائے صبرؔ بدایونی کے شاگرد تھے۔ پٹیالی سرائے میں مکان تھا۔ ۱۹۲۱ء میں انتقال ہوا۔ زیادہ حالات دستیاب نہ ہوسکے۔ چند شعر مل سکے اُن سے پتہ چلتا ہے کہ آپ اپنے دور کے کامیاب مزاح نگار تھے۔

نمونہ کلام

کہا اُن سے نہانے کو تو بولے اب کے بھادوں میں
جگہ پوچھی تو فرمایا چند ڈھکر ہو کہ سالے اگر ہو
یہ خط دینا وہاں قاصد کہ جس گھر کا یہ منظر ہو
در و دیوار سب غائب ہوں دو تھنیوں پہ چھپر ہو
تفرقہ پڑ گیا ہے وصل میں اب وصل کیونکر ہو
وہ کانجی حوض پر راضی ہیں میں کہتا ہوں گھر پر ہو

(باقی صفحہ ۳۸ کا) ... شعر درج ہوتا تھا۔

خزاں بہار کے گلشن ... دور دورے ہیں ۔ سدا بہار جو پوچھو تو ہے سخن کا چمن

ماہنامہ کا سالانہ چندہ عوام سے ایک روپیہ اور رؤسا سے چار روپے لیا جاتا تھا۔ ہر ماہ علم عروض و قافیہ وغیرہ پر مضامین کے علاوہ ایک طرحی مشاعرہ شائع ہوا کرتا تھا۔ ہر شاعر کے نو شعر تک مفت شائع ہوا کرتے تھے۔ زائد کے لئے فی شعر ایک پیسہ اُجرت چھپائی لی جاتی تھی۔ مشاعرہ کا مصرعہ ایک ماہ قبل شائع ہوتا تھا۔ (مضمون حضرت ذکی تال گانوی ماہنامہ مومن اگست ستمبر ۱۹۸۰ء [illegible] کے شمارے میں [illegible] شائع ہوا تھا) (اس صفحہ کا حاشیہ صفحہ ۴۰ پر)

بیخود

بابو رام شرما بیخود کا جنم ۲۴ جولائی ۱۹۲۴ء کو باد اللہ گنج ضلع بدایوں میں ہوا۔ آپ کے والد کا نام شری کندن سین شرما تھا۔ ابتدائی تعلیم گاؤں میں حاصل کی۔ بدایوں سے اُردو ہندی مڈل پاس کئے۔ بیخود کی شادی ۱۹۴۱ء میں ہوئی۔ اولاد میں تین لڑکیاں اور دو لڑکے ہیں۔ آپ نے کوئی سرکاری ملازمت نہیں کی۔ ۱۹۴۷ء سے ۱۹۷۰ء تک درباری لال گرگ ایڈووکیٹ کے یہاں محرّر رہے۔ اس کے بعد سے کاشتکاری کرتے ہیں۔ ۱۹۴۵ء سے شاعری کی طرف متوجہ ہیں۔ اور منزل لوہاٹھیری[1] کے تلامذہ میں شامل ہیں۔

نمونۂ کلام

بڑے مہرباں ہیں جو مولا ہمارے — ہمیں چاہیئے اور کس کے سہارے
دکھا دے وہ جلوہ کہ دیوانہ کر دے — دکھا دے نظارے دکھا دے نظارے
ہے نام تیرا جو بیخود کے لب پر — تو حاصل ہوں مکتی کے اس کو سہارے

محبت کو یارو نہ بدنام کرنا — کبھی بھول کر بھی نہ یہ کام کرنا

(باقی صفحہ ۳۹ کا) [1] صابر کے حالات صفحہ ۱۱۷ پر ملاحظہ فرمائیں۔ [2] سلے بدایوں کے دو تالابوں کے نام — ماخذ تجلیات سخن

[1] جمیل الدین منزل لوہاٹھیری کا شمار اساتذہ میں ہوتا ہے۔ آپ کی سن پیدائش جولائی ۱۹۳۱ء ہے۔ آپ ابر احسنی گنوری کے شاگرد رشید ہیں۔ آپ کے والد محمد مسیح الدین وفا بھی شاعر تھے۔ منزل صاحب کی کتابوں میں شہر نگاراں، آئینہ غزل، فردوس کائنات، جہان ادب، بہار غزل، مشہور ہیں۔ شاداب لوکی

نکلنا نہیں اس سے پہلو بدلکر — نہ بدنام اس کو سرِ عام کرنا
کہے جا رہا ہے یہ حسنِ تجلّی — کہ الفت میں مرنا بھی ہے نام کرنا
اگر ہو سکے تجھ سے ساقی تو اِکدن — بِلا مانگے پیشِ نظر جام کرنا

فلک اتنا بتا دے کس لئے بیداد کرتا ہے
گرا کر بجلیاں کیوں آشیاں برباد کرتا ہے
بڑھا کر روزمرّہ جذبۂ عشق و محبت کو
بتا ظالم مری کیوں زندگی برباد کرتا ہے
ہوئی مدّت کہ رہتا ہوں فقط تیری تمنّا میں
مری نظروں کی دنیا کیوں نہیں آباد کرتا ہے
کوئی کس طور سے ناز و ادا کے پیچ و خم سمجھے
ترا تیرِ نظر زخمی جگر جلّاد کرتا ہے
خطا کوئی نہیں سرزد ہوئی جب مجھسے اے بیخودؔ
جُدا کیوں آشیانے سے مجھے صیاد کرتا ہے

بیدمؔ

اننت رام نام بیدمؔ تخلص تھا۔ کائستھ گھرانے کے فرد تھے۔ محلہ پٹیالی سرائے میں مکان تھا۔ بیدمؔ ایک وکیل کے یہاں محرّر تھے۔ آپنے شادی نہیں کی تھی۔

بیدمؔ مزاحیہ شاعر تھے۔ آپ کے کلام میں فحش نگاری کا بھی دخل ہے۔ یہاں صرف تین شعر جن میں ایسے خیالات نہیں ہیں پیش ہیں۔

نمونہ کلام

ہمارے سامنے بیدمؔ وہ کیا بیچیں گے پودینہ
وہ اک کباڑی[1] کے مالک ہیں یہاں سارا چمن اپنا

ایک بدھیا مول ہی سارا نخاسا دیکھ کر
پھول ہم نے چن لیا اچھے سے اچھا دیکھ کر

اُن کی رغبت دیکھ کر بیدمؔ سنگاڑوں کی طرف
لے لیا ہے ہم نے ٹھیکا پورے سا گرتال[2] کا

تسلیم

رام سہائے نام تسلیمؔ تخلص تھا۔ آپ علی گڑھ کے رہنے والے تھے بدایوں میں ایک عرصے تک ڈپٹی کلکٹر رہے اسی وجہ سے آپ کو بدایونی شعراء میں شامل کیا جا رہا ہے۔ آپ مرزا حاتم علی بیگ مہرؔ تلمیذ ناسخؔ کے شاگرد تھے دو دیوان "غنچۂ مراد"[3] اور "نغمہ آرزو" آپ کی یادگار ہیں۔ تذکروں سے پتا چلتا ہے کہ آپ نے ۹۰-۹۵ سال کی عمر پائی۔ تسلیمؔ کا شمار اس زمانے کے کہنہ مشق شعراء میں ہوتا تھا۔ آپ کے کلام میں زبان کی صفائی اور بیان میں رنگینی

---

[1] بعض لوگ یہاں پر "پودے" بتاتے ہیں۔ [2] بدایوں کا مشہور تالاب ہے جس کے کنارے حضرت سید احمد صاحبؒ والد بزرگوار حضرت خواجہ نظام الدین اولیا محبوب الٰہی کا مزار ہے۔ [3] موجِ گنگ میں "نغمۂ مراد" دھوکے سے درج ہو گیا ہے۔

پائی جاتی ہے۔

نمونۂ کلام

چشمِ تر حال پہ تیرے میں کہاں تک روؤں
طفلِ اشک ایک بھی آغوش میں پلنے نہ دیا
کجروی نے فلکِ پیر کی اے وائے نصیب
کوئی ارمان مرے دل سے نکلنے نہ دیا

آپس میں جھگڑے ہیں عبث شیخ و برہمن کے
کعبہ نہ کسی کا ہے نہ بُت خانہ کسی کا

ڈھونڈے انسان تو وہ ہے خانۂ دل میں موجود
کعبہ کیسا مرے نزدیک کلیسا کیسا

وہ عندلیب ہوں گلشن سے جب بہار گئی   زمانہ آیا قفس سے مری رہائی کا

جوشِ وحشت میں یہ کچھ خاک اُڑائی تسلیم
بادِ صرصر کے سر و دوش پہ صحرا دیکھا

غم میں نہیں کھاتا ہوں تو خوش دل نہیں ہوتا
بے رنج مزہ عیش کا حاصل نہیں ہوتا

کیوں نہ وحشت ہو نہ ہوں کیوں کرہرے داغِ جگر
موسمِ گل آگیا سبزہ گلشن ہو گیا

ہر روز تو میں یہ نہیں کہتا کہ آئیے　　فرصت نہیں ہے آنے کی بھی گاہ گاہ کیا

طالبِ حق نہیں پابند کبھی مذہب کے　　شیخ سمجھے جسے تسلیم برہمن نکلا

رہے گی حضرت واعظ کی آبرو کب تک
چھپے رہیں گے بغل میں خم و سبو کب تک

ہاتھ رکھ کر مرے سینے پہ وہ فرماتے ہیں
سچ بتا دے ہمیں اب دردِ جگر ہے کہ نہیں

گریۂ عاشقِ ناشاد پہ ہنس دیتے ہیں
اے بتو! کچھ تمہیں اللہ کا ڈر ہے کہ نہیں

یکساں ہوا نہیں چمنِ دہر کی کبھی　　کچھ دن بہار کے ہیں تو کچھ دن خزاں کے ہیں

کیا کریں تم سے شکوۂ بیداد　　اپنا یہ شیوہ یہ شعار نہیں

طور و موسیٰ کی حقیقت نہیں کس پر روشن
جلوۂ یار سے رہتے ہیں بجا ہوش کہیں

کوچہ تمہارا گنجِ شہیداں سے بڑھ گیا
بسمل چپ پڑے ہیں کہیں نیم جاں کہیں

بیداد گر سے دل طلب داد کیا کرے
حاکم نہ دادرس ہو تو فریاد کیا کرے
اس آسماں نے خاک میں ہم کو ملا دیا
اب اور دیکھئے ستم ایجاد کیا کرے

کب نظر آئے گا شوخِ ماہِ سیما دیکھئے
کب مرے طالع کا چمکے گا ستارا دیکھئے

نہ تو آئی خبر نہ یار آئے
کس طرح دل کو پھر قرار آئے

جوشِ گریہ نہیں ممکن دلِ مضطر رو کے
برق کیا بارشِ باراں کو تڑپ کر رو کے
کیوں عبث گریہ وزاری میں ہے مصروف اے دل
کون ہو سکتا ہے تحریرِ مقدر رو کے
بحث اے ابر نہ کر ہم سے اگر ہم چاہیں
تو بہا دیں ابھی آنکھوں سے سمندر رو کے

اٹھتے ہیں عبث شعلے مرے داغِ جگر سے
کیا کیجئے تدبیر لگے آگ جو گھر سے

گورِ تیرہ میں رہا تنہا نہ میں مرنے کے بعد
دفن میرے ساتھ میرے دل کی حسرت ہو گئی

ایسے ہم عشق میں ہیں محو خبر یہ بھی نہیں
عیش کہتے ہیں کسے اور مصیبت کیا ہے

یہ وہ دولت ہے گدا کو بھی شہنشاہ کر دے
ہم سے پوچھے کوئی تسلیم قناعت کیا ہے

حالِ دل سن کے مرا کہتے ہیں کس ناز سے وہ
اپنی عادت ہے کہ جو ذکر سُنا بھول گئے

ماخذ:- خمخانۂ جاوید موج گنگ

پریمؔ

اسم گرامی اُوم پرکاش اور پریمؔ تخلص ہے۔ والد محترم کا نام ٹیکا رام ہے۔ آپ ویش خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ اُردو ہندی مڈل تک تعلیم حاصل کی ہے۔ ڈاکٹری کرتے ہیں۔ گکرالہ جائے پیدائش ہے۔ آج کل کنڈریا بھاری (بدایوں) میں پریکٹس کرتے ہیں۔

شاعری کا شوق بچپن سے ہے۔ مولانا ابرؔ احسنی گنوری (ف ۱۹۷۳ء) کے شاگرد ہیں۔ آپ کا ذکر مولانا ابرؔ احسنی نے "میری اصلاحیں حصہ اول" میں اپنے تلامذہ میں کیا ہے۔

نمونہ کلام

میرے غم پر آنکھ میں اشک ملال آ ہی گیا
اُن کو دیرینہ محبت کا خیال آ ہی گیا

انتہائے غم نے اس عالم میں پہنچایا پریم
اُن کے آگے میرے جینے کا سوال آ ہی گیا

مجبور ہو کے رفعتِ دردِ نہاں سے ہم
ٹکرا گئے منازلِ آہ و فغاں سے ہم
رکھتے ہیں رابطِ خاص ترے آستاں سے ہم
اُٹھے گا ایک حشر جو اُٹھے یہاں سے ہم
آتے ہی اُن کے پڑ گیا حیرت سے واسطہ
لاتے نظر میں دید کی طاقت کہاں سے ہم
آتا نظر بجائے فلک دہر کو دھواں
اے پریم چھیڑ کرتے اگر آسماں سے ہم

رہ گئے دل میں چبھ کے نشتر سے
کون گزرا مرے برابر سے
خیر اللہ میرے تقوے کی
مے چھلکتی ہے آج ساغر سے
میرے اشعار ہیں کہ موتی ہیں
پوچھ لو یہ کسی سخنور سے

بارِ گراں تھی زیست کی اِک اِک گھڑی مجھے
وہ مل گئے تو مل گئی پھر زندگی مجھے
اُن کا نشاں تو مل نہ سکے گا یقین ہے
میرا پتا بتا دے خدارا کوئی مجھے
اتنے ملے ہیں غم کہ یقیں آ گیا پریم
راس آئی اور نہ آئے گی یہ زندگی مجھے

[illegible]

پیارے لال نام تھا۔ آپ سہسوان کے رئیس تھے اور قوم کے کائستھ تھے۔ "معیار البلاغت" پر آپ کا قطعۂ تاریخ ملتا ہے۔

جب عروض و قافیے میں یہ کتاب
میرے مشفق سحرؔ نے تالیف کی
مصرع تاریخ ہاتف نے کہا
خوب ہے یہ سحر سازی سحرؔ کی

۱۲۸۲ھ

ماخذ: معیار البلاغت از دیبی پرشاد سحرؔ

جگ موہن لال گپتا کا جنم ۱۰ جولائی ۱۹۳۴ء کو سید پور ضلع بدایوں کے ایک زمیندار گھرانے میں ہوا۔ آپ کے والد کا نام لالہ رام سروپ (ف ۴، ستمبر ۱۹۸۱ء) تھا۔ ابتدائی تعلیم قصبے میں ہی حاصل کی اور وہیں سے اردو مڈل کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۵۰ء میں بسولی سے ہائی اسکول پاس کیا۔ اور ۱۹۵۳ء میں گلاب رائے انٹر کالج بریلی سے مدرسی کی ٹریننگ کرنے کے بعد پنا لال میونسپل انٹر کالج سہسوان میں مدرس ہو گئے۔ اس کے بعد ۱۱ جون ۱۹۵۵ء کو آپ کا تقرر سہسوان میونسپل بورڈ میں سپرنٹنڈنٹ تعلیم

کے عہدے پر ہو گیا۔ آج کل اسی پوسٹ پر شاہ آباد ضلع ہردوئی میں تعینات ہیں۔ آپ نے انٹرمیجیٹ اور بی۔ اے۔ کے امتحانات پرائیویٹ پاس کئے۔ گپتاجی ہومیوپیتھک کے ڈاکٹر بھی ہیں۔ آپ کی شادی ۱۹۵۶ء میں ڈاکٹر اجودھیا پرشاد (سہسوان) کی صاحبزادی سے ہوئی۔ آپ کی شریک حیات پڑھی لکھی اور باصلاحیت خاتون ہیں۔ اولاد میں تین لڑکیاں اور دو لڑکے ہیں۔ بڑے صاحبزادے سنجیو موہن علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے Chemistry میں پی۔ ایچ۔ ڈی کر رہے ہیں۔

اردو ادب سے بچپن ہی سے لگاؤ ہے۔ سید پور کی ادبی نشستوں میں بحیثیت سامع شریک ہوتے تھے۔ آپ کے والد اردو میں اچھی دستگاہ رکھتے تھے اور ایک رشتے کے چچا ڈاکٹر رادھے شیام اردو کے اچھے مضمون نگار ہیں۔

گپتاجی ۱۹۷۹ء سے مستقل شعر کہہ رہے ہیں۔ پہلی غزل مندرجہ ذیل مصرعہ طرح پر کہی تھی۔

مہرباں کوئی نہ تھا نامہرباں کوئی نہ تھا

آپ کے پسندیدہ شاعروں میں غالبؔ، داغؔ، فانیؔ، جگرؔ اور فراقؔ ہیں۔ حالانکہ گپتاجی کی شعری عمر بہت کم ہے لیکن آپ کا کلام مستقبل کے روشن ہونے کی طرف اشارہ کرتا تھا۔

نمونہ کلام

تیری دنیا میں چمن تھے آشیاں کوئی نہ تھا
ہمسفر بھی تھے بہت پر ہم زباں کوئی نہ تھا

رنج تھے غم تھے الم تھے یاس اور ناکامیاں
اپنی قسمت میں بیاباں تھے مکاں کوئی نہ تھا

یاد ہے اب تک جہاں کی وہ عجب بیگانگی
مہرباں کوئی نہ تھا نامہرباں کوئی نہ تھا

کر نہ سمجھو تا کبھی لیتے گوشۂ حالات سے
تھے ہم تنہا کہ اپنے درمیاں کوئی نہ تھا

ہم قفس بھی لے کے اڑ جاتے مگر مجبور تھے　　ہر طرف تھیں بجلیاں اور آسماں کوئی نہ تھا

بے درد زمانے میں ارمانوں کی قیمت کیا
دنیا ہے تماشائی دیوانوں کی قیمت کیا
احساں تو بہت ہم نے لوگوں پہ کئے لیکن
اِس دورِ تغافل میں احسانوں کی قیمت کیا
ویرانوں کی عظمت کو دیوانے سمجھتے ہیں
دنیا کی نگاہوں میں ویرانوں کی قیمت کیا

ایسی ناکام تمنّاؤں کا صحرا ہوں جہاں
شاخِ امید بھی بے برگ و ثمر ہے یارو
غرقِ طوفاں بھی نہیں جانبِ ساحل بھی نہیں
کشتیٔ زیست اِدھر ہے نہ اُدھر ہے یارو

غموں سے درد سے تنہائیوں سے اور جفاؤں سے
کبھی ہوتی تھی لیکن اب پریشانی نہیں ہوتی
ہمیشہ سے یہی دستورِ محکم ہے زمانے کا
نظر سے جو گرا اُس پر نظرِ ثانی نہیں ہوتی

عشق کے ماروں کی قسمت میں مر کر بھی تو چین نہیں
جیتے تھے تو سوالی تھے اب ہیں سوالی کے

ہم سے جو بھی خوشی ہوئی رخصت — لوٹ کر پھر نہ وہ کبھی آئی
رُخ بدلتے جو وقت کو دیکھا — دوستوں میں بھی بے رخی آئی
آپ سے لوگ جب چلیں بچ کر — دیکھئے خود میں کیا کمی آئی

بہار ہو نہ ہو کلیوں پہ کچھ نکھار تو ہے
قرار ہو نہ ہو دل میں کسی کا پیار تو ہے
دکھاؤں کیسے کسی کو میں داغِ دل اپنا
نشانِ زخم سہی اُن کی یادگار تو ہے
بدلتے دور میں انساں کے ساتھ موسم بھی
بدل رہا ہے مگر اس کا اعتبار تو ہے

چاہے سو بار جلائے وہ جلانے والا
طور کو چاہیئے اک جلوہ دکھانے والا
اِک تری یاد ہی ایسی ہے جو آجاتی ہے
ورنہ ہے کون یہاں رات میں آنے والا
جھانک کر اپنا بھی دیکھے وہ گریبان کبھی
مجھ پہ الزام ذرا الزام لگانے والا
آؤ رسماً ہی منالیں یہ شبِ دیوالی
ورنہ اب وقت کہاں شام سجانے والا

حسن اگر مغرور نہ ہوتا — عشق کبھی منصور نہ ہوتا
فرقوں کی دیوار نہ ہوتی — کوئی کسی سے دور نہ ہوتا

ہوتا وہ محدودِ حرم تو ہر ذرّہ پُر نور نہ ہوتا

ہر نفس ایثار کو بانٹا کرو دوستو کردار کو بانٹا کرو
ہم تو کانٹوں ہی سے بہلائینگے دل برگِ گل گلزار کو بانٹا کرو
قدرِ غم کی کیا کریں گے خوش نصیب غم فقط غم خوار کو بانٹا کرو

جوؔش

آپ کا نام رادھارمن اور جوش تخلص ہے۔ جوؔش صاحب ۱۹۰۸ء میں مظفر نگر میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد منشی گنگا رام سکسینہ اس وقت وہاں سب انسپکٹر پولیس تھے۔ ابتدائی تعلیم زمانے کے رواج کے مطابق گھر پر حاصل کی۔ ۷ سال کی عمر میں ایڈورڈ میموریل اسکول مظفر نگر میں داخل کئے گئے لیکن چند ماہ بعد والد کا تبادلہ کانپور ہو جانے کی وجہ سے وہ اسکول چھوڑنا پڑا۔ دو سال کانپور میں رہ کر پانچواں درجہ پاس کیا۔ اس کے بعد ٹونڈلہ اور جھانسی میں چند ماہ تعینات رہنے کے بعد والد کا تبادلہ گوالیار کو ہو گیا یہاں دو سال مُراد ہائی اسکول میں تعلیم پائی لیکن بد قسمتی سے ۶ نومبر ۱۹۲۱ء کو والد کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ والد کی موت کے بعد گھر کے تمام افراد کی ذمہ داری آپ پر آگئی۔ ان حالات میں آپ اپنے وطن چلے آئے۔ ۱۹۲۷ء میں اسلامیہ ہائی اسکول سے ہائی اسکول کا امتحان پاس کیا۔ اور ۱۱ اپریل ۱۹۲۸ء کو کلکٹری بدایوں میں ملازم ہو گئے۔ ۱۹۶۶ء میں صدر ناظر کے عہدے سے پینشن لی۔ اس کے بعد نہرو میموریل ڈگری کالج بدایوں میں آفس سپرنٹنڈنٹ ہو گئے۔ یہاں ۱۹۷۰ء تک کام کیا۔

جوش صاحب ۱۹۲۹ء سے مستقل شعر کہہ رہے ہیں۔ ۱۹۳۱ء میں لکشمی نرائن جوہر (ف ۱۹۶۳ء) کے حلقۂ تلامذہ میں شامل ہو گئے تھے کچھ عرصہ بعد رام بہادر لال جویا انولوی (ف ۱۹ر نومبر ۴۹ء) کے شاگرد ہوئے جوش صاحب کا شمار اساتذہ میں ہوتا ہے۔ کئی حضرات آپ کے حلقۂ تلامذہ میں شامل ہیں۔ جن میں برج بہادر شاہد اور نشتر بدایونی قابلِ ذکر ہیں۔ جوش صاحب کا کلام "سلک پروین" "انجم فوقی" اسلامیہ کالج میگزین، رہنمائے تعلیم، شہر نگاراں (منزل لوہا ٹھیری) اور بہت سے رسائل اور کتب میں شایع ہو چکا ہے۔ ابھی تک آپ کا کوئی شعری مجموعہ شائع نہیں ہوا ہے۔ موصوف کو اس طرف توجہ کرنی چاہیئے۔

جوش صاحب مقامی مشاعروں میں کثرت سے شریک ہوتے ہیں جوش صاحب نے حافظہ بلا کا پایا ہے۔ کافی شعر زبانی یاد ہیں۔ جوش صاحب کا کلام گہرے فکر و شعور اور فنی لطافت سے عبارت ہے۔

نمونہ کلام

نعت شریف

سرور افزائے عالم سرورِ ہر دو سرا تم ہو
رسالت ختم ہے جن پر وہ محبوبِ خدا تم ہو
جہاں سے اور جہاں تک سلسلہ ہے دین و دنیا کا
زمانہ التجا ہے اور جوابِ التجا تم ہو

ذاتِ نبی ہے دسترسِ فکر و فن سے دور
محبوبیت کے راز کو رکھ حسنِ ظن سے دور

ماخذ:- "شہر نگاراں" از منزل لوہا ٹھیری۔ ماہنامہ رہنمائے تعلیم دسمبر ۱۹۶۷ء۔ میگزین اسلامیہ انٹر کالج بدایوں

ہم سے گناہگار بھی فیضِ نبی سے جوشؔ
دامانِ عافیت میں ہیں رنج و محن سے دور

پیامِ سحر شب کے نام اللہ اللہ
نبوّت کا ماہِ تمام اللہ اللہ
زمیں کی پہنچ اور عرشِ بریں تک
لبِ جوؔش پر تیرا نام اللہ اللہ

اشعارِ غزل

یہاں عمریں گزر جاتی ہیں اور منزل نہیں ملتی
تو پھر یہ سوچنا بیکار ہے انجام کیا ہوگا

ہوا برباد دل تو دل کے ارمانوں پہ کیا گزری
لگی جب آگ گھر میں گھر کے مہمانوں پہ کیا گزری
جلی جب شمع سب تھے رنگِ محفل دیکھنے والے
کسی نے یہ نہیں پوچھا کہ پروانوں پہ کیا گزری

گر پیار نہیں پیار کا اظہار بہت ہے
ٹوٹی ہوئی زنجیر کی جھنکار بہت ہے
ہے عشرتِ کونین بھی منعم کے لئے کم
مفلس کے لئے سایۂ دیوار بہت ہے

نالۂ شب سے کبھی آہِ سحر سے گزرے
ہم غمِ عشق کی ہر راہ گزر سے گزرے

آنکھ تو محوِ تماشہ تھی اُسے کیا معلوم
دل کی دھڑکن کو یقیں ہے وہ ادھر سے گزرے

اپنے ہی دم قدم سے ہے تحریک اور جمود
جب ہم سفر میں ہیں تو زمانہ سفر میں ہے
بجھ بجھ کے جل رہی ہے ابھی شمعِ انتظار
کوئی تو بات وعدۂ نامعتبر میں ہے

دل کے معاملات میں دور از تعینات
یوں سجدہ کیجئے کہ جبیں خم نہ ہو سکے
تسبیح پوچھیئے تو جورِ مسلسل سے کم نہیں
وہ التفاتِ خاص جو پیہم نہ ہو سکے

لوگ مجھ سے پوچھتے ہیں آنے والے حادثات
جوشؔ میرے دل کی دھڑکن غیب کی آواز ہے

قطعات

کیف و نغمہ کیف و مستی نور و نکہت یک طرف
اور اُس کا فرادا کی ایک انگڑائی کہ بس
جب کبھی اے جوشؔ راہِ عشق میں رکھا قدم
دل نے چپکے سے وہیں تاکید فرمائی کہ بس

کانٹوں کی پذیرائی ہے پھول کے داماں تک
لیکن یہ رواداری پہنچی نہیں انساں تک
کیا شرحِ محبّت ہو دنیا سے کہ دنیا نے
افسانے کو دیکھا ہے افسانے کے عنواں تک

اب کہاں وہ ولولۂ جوش و خروش
دل کبھی دل تھا مگر اب دل نہیں
کیوں ہے خوش فہمی میں دنیا مبتلا
زندگی اِک راہ ہے منزل نہیں

غیور فطرتِ خودار کی سماعت پہ
خوش آمدانہ تکلّم بھی بار ہوتا ہے
زمانہ سازیٔ اربابِ وقت کچھ بھی سہی
مگر زمانہ کسے سازگار ہوتا ہے

میں ہو کے گُم دل کی وسعتوں میں
حسیں نظاروں کو ڈھونڈتا ہوں
تری نگاہوں سے دور رہ کر
ترے اشاروں کو ڈھونڈتا ہوں

جوشؔ

اسمِ گرامی اُما شنکر اور تخلص جوشؔ تھا۔ آپ سہسوان ضلع بدایوں کے رہنے والے تھے۔ قوم کے کائستھ تھے۔

نمونہ کلام

گردش سے چرخ کی کوئی محفوظ ہو تو ہو
اپنی تو عمر یوں ہی کٹی اضطراب میں

دل ٹوٹ جائے گا کسی مایوسِ دید کا
آیا خیال تم کو نہ اتنا حجاب میں

ماخذ: مکتوب ڈاکٹر حنیف نقوی، سہسوان

جوہرؔ

انبکا پرشاد نام اور جوہرؔ تخلص تھا۔ محلہ قانون گویان بدایوں کے رہنے والے تھے۔ پرانی کتابوں پر آپ کے اکثر قطعہ تاریخ ملتے ہیں۔ آپ منشی دیبی پرشاد سحرؔ کے بھائی تھے۔

نمونہ کلام

آئے اِس دم آج وہ دلدار اور آرام روح
زاریٔ دل، زردیٔ رخ، دردِ دوری رور رو ر

قطعۂ تاریخ۔ مثنوی "انجرۂ عشق" کی طباعت کے موقع پر

دیکھی یہ مثنوی تو دل نے کہا — مجھ کو مطلوب ہے مسیحی سال
میں نے جوہر یہ کہہ دیا فوراً — خوب مرغوب ہے مسیحی سال

(۱-) ۱-۱۸۷۱

۱۸۷۰ء

معیار البلاغت کی طباعت کے موقع پر

رسالہ سحر نے لکھا یہ جس دم — کہ ہیں جس میں مضامین غرائب
لکھی تاریخ جوہر نے اسی دم — کہ معیار البلاغت ہے عجائب

۱۸۶۶ء

ماخذ:- تجلیات سخن مثنوی انجرۂ عشق معیار البلاغت

جوہر

لکشمی نرائن نام اور جوہر تخلص تھا۔ آپ ۲۵ر جون ۱۸۹۳ء کو بدایوں میں پیدا ہوئے۔ جوہر صاحب کا آبائی وطن قصبہ کمپل ضلع فرخ آباد تھا۔ آپ کے مورث اعلیٰ منشی نانک چند اودھ کی فوج میں منشی تھے۔ منشی نانک چند نے غدر کے بعد بدایوں میں سکونت اختیار کرلی تھی۔ جوہر کے والد منشی مکٹ نرائن اختر حاکم پرگنہ بدایوں کے پیش کار تھے اور آپ کے دادا کشن نرائن درو غہ تھے۔ ابتدائی تعلیم والد کی نگرانی میں حاصل کی بعد میں دیگر اساتذہ سے اردو فارسی زبانوں میں دستگاہ پہنچائی۔ اس کے بعد آپ نے طب کی طرف رجوع کیا اور ۱۹۲۶ء میں حکیم حاذق کی سند حاصل کی۔ اس کے کچھ دنوں بعد آپ کا تقرر خزانہ میں نائب خزانچی کی جگہ پر ہوگیا۔ تقریباً چھ سال تک بخوبی کام کرتے رہے۔ ۱۹۳۶ء میں اکلوتے جوان بیٹے کی موت نے آپ کی تمام خوشیاں چھین لیں۔ اسی حادثہ کی

وجہ سے آپ نے ملازمت ترک کر دی۔ بعد میں آپ بطور مشغلہ مطلب کرنے لگے تھے

جوہر صاحب کی طبیعت بچپن سے شعر و شاعری کی طرف راغب تھی آپ کے والد بھی شعر کہتے تھے اور پھر بدایوں کی ادبی فضا آپ کے ذوق شاعری کو ابھارنے میں ممد معاون ثابت ہوئی آپ افتخار الشعراء منشی مہاراج بہادر برق (ف ۱۹۳۶ء) کے شاگرد تھے۔ لیکن اصلاح کا سلسلہ دو سال ہی چل سکا اور برق کا انتقال ہوگیا۔ آپ کی ذاتی صلاحیت اور محنت کی وجہ سے آپ کا شمار اساتذۂ سخن میں ہوتا تھا۔ آپ کے تلامذہ میں شمیم، جوش، وحشی وغیرہ کے نام شامل ہیں۔ یوں تو جوہر صاحب کی غزلیں بھی پر تاثیر ہیں لیکن آپ میدان نظم کے کامیاب شہسوار ہیں۔ بقول جناب عرفان عباسی آپ کا کلام سلاست و روانی، سوز و گداز، تازگی و صفائی اور زبان و بیان کی خوبیوں سے مرصع ہے۔

آپ کی مندرجہ ذیل دو کتابیں شائع ہوئیں۔

(۱) **لپشپ والڑکا**:۔ ایک طویل مثنوی ۱۹۲۸ء میں اس عنوان سے شائع ہوئی تھی۔

(۲) **آئینہ جوہر**:۔ یہ آپ کے کلام کا مجموعہ ہے جو ۱۹۶۲ء میں نظامی پریس بدایوں سے شائع ہوا تھا۔ "آئینۂ جوہر" کو جوہر کے شاگردِ رشید ادیب شمیم نے مرتب کیا تھا۔

جوہر صاحب کا کلام اکثر و بیشتر رسائل و اخبارات کی زینت بنتا تھا۔ آپ مشاعروں میں کثرت سے شریک ہوتے تھے۔ جوہر صاحب کا انتقال ۲۹ مئی ۱۹۶۳ء کو اچانک حرکت قلب بند ہو جانے سے ہوا۔

ماخذ:۔ آئینہ جوہر، تذکرہ شعرائے اتر پردیش، پانچویں جلد

برائے برقِ مضطر چار تنکے تھے نشیمن میں
نہیں دیکھے گئے اے بادِ صرصر تجھ سے کیوں وہ بھی

پرستش کر رہا ہے ہر جوان و پیر پتھر کی
صنم خانے میں آ کر جاگ اٹھی تقدیر پتھر کی
تصور نے بتِ کافر کی دل میں شکل کھینچی ہے
تماشہ دیکھئے شیشے میں ہے تصویر پتھر کی
تصور دل میں اشک آنکھوں میں لب پر مہر خاموشی
بنا بیٹھا ہوں اُن کی یاد میں تصویر پتھر کی
یہ قسامِ ازل نے خوب ہی انصاف فرمایا
تمہیں پتھر کا دل بخشا مجھے تقدیر پتھر کی
اُدھر تمکیں اِدھر حسرت حجاب اُنکو مجھے حیرت
شبِ وعدہ بنے بیٹھے رہے تصویر پتھر کی
ادب سے زاہدِ کعبہ نشیں بھی چوم لیتا ہے
تمہارے در سے لگ کر بڑھ گئی توقیر پتھر کی

مہاتما گاندھی کی وفات پر نوحہ کہا تھا اس کے چند بند۔

ماتمی رنگ اُگلتی ہوئی پھرتی ہے بہار
پتیاں جھک گئیں خاموش کھڑے ہیں اشجار
بیخودی چھائی ہے کروٹ نہیں لیتے کہسار
آج جمنا کے کنارے سے ہے اُٹھنے کو غبار

شوخ موجیں ہیں کہ دیوانہ صفت پھرتی ہیں
فرطِ غم میں کبھی اُٹھتی ہیں کبھی گرتی ہیں

نمونۂ کلام

نہ جانے ظرف سے زائد ہے یا میرے مقدر سے
لبوں تک آتے آتے مے چھلک جاتی ہے ساغر سے

نہیں دیکھے گئے وہ بھی نگاہِ برقِ مضطر سے
جو تنکے بچ رہے تھے آشیاں کے بادِ صرصر سے

بہارِ صحنِ گلشن ہے اگر اپنے مقدر میں
قفس کی تیلیاں سرسبز ہونگی دیدۂ تر سے

خدا شاہد ہے یاد آ جاتی ہے کھوئے ہوئے دل کی
جو رہ جاتا ہے دامن پر کوئی آنسو مقدر سے

ارے صیاد مجبوری اسی کا نام ہے شاید
نشیمن جل رہا ہے دیکھتے ہیں ہم ترے گھر سے

قفس میں دل کی ہر جنبش پہ اتنا ہوش آتا ہے
کہ انجامِ خزاں کا ذکر تھا نکلے تھے جب گھر سے

دعا کے ساتھ وہ آمین کہتے ہیں مگر جوہر
اثر بیگانہ وش رہتا ہے کچھ اپنے مقدر سے

میں رسوا ہوں سرِ محشر مگر مجھ سے فزوں وہ بھی
کھڑا ہوں دم بخود میں بھی کھڑے ہیں سر نگوں وہ بھی

طیورِ باغ کی سرگوشیاں صیاد کے طعنے
مری تقدیر میں لکھا تھا میں یہ بھی سنوں وہ بھی

وہی کانٹا کہ جس کو اہلِ دنیا جان کہتے ہیں
مرے دامِ تمنا میں ہے اک صید نہ ہوں وہ بھی

چھُپ گیا آہ نگاہوں سے وفا کا خورشید　　اُٹھ گئی دل سے بس اب صبحِ شبِ غم کی امید
جی لرزتے ہیں زمیں کانپتی ہے صورتِ بید　　ہائے بھارت کے ہوئے جاتے ہیں سب بال سپید
کس کا جی لائیں ترے سوگ اُٹھانے والے
کس کی آنکھوں سے تجھے روئیں زمانے والے

خمسہ بر غزل فانی بدایونی

میری خاموشی ہے سرتاپا زبانِ اضطراب　　ہر نگاہِ مضطرب ہے اک بیانِ اضطراب
برقِ مضطر بھی خجل ہے وہ ہے شانِ اضطراب　　پھر دلِ بیتاب ہے آرامِ جانِ اضطراب
پھر تمنا ہے کسی کی میہمانِ اضطراب
کام آیا درد و غم میں عاشقِ دلگیر کے　　ہل گیا دل اُن کا صدقے نالۂ شب گیر کے
آ گئے وہ آخر شِ زد میں ہوائی تیر کے　　ہم ہوئے جاتے ہیں قائل آہ کی تاثیر کے
اُس نے کیا کہہ کر بڑھادی آج شانِ اضطراب
کھُل گئی تقدیر جب اُن کا شباب آنے لگا　　مجھ کو اُمیدوں کے بر آنے کا خواب آنے لگا
اب مری بیتابیوں کا کچھ جواب آنے لگا　　مجھ کو مضطر دیکھ کر اُن کو حجاب آنے لگا
ہو چلی ہیں اب نگاہیں رازدانِ اضطراب
اس قدر سوزِ دروں کا ہے اثر پھیلا ہوا　　جل گیا پہلو شبِ غم میں جو لی کروٹ ذرا
اب تپش ہر سانس میں جو ہے شعلے سے سوا　　سینۂ خاکی ہے یا جولاں گہِ برقِ فنا
دل ہے یا رب یا بلائے آسمانِ اضطراب

ہردے نرائن نام جوہر تخلص تھا۔ سمت ۱۹۴۸ بکرمی مطابق ۱۸۹۱ء

بروز منگل گنور (ضلع بدایوں) میں پیدا ہوئے۔ والد منشی سکھ لال طپاں نے زائچہ ذیل نظم میں تحریر کیا۔ چند شعر اس طرح ہیں۔

آٹھ اور چار، نو اور ایک — بکرمی سن کا آپ کیجیے قیاس
تتھ اماوس کی اور اندھیری پاکھ — یوم منگل کا اور سراون ماس
ہرے سکھ لال کے ہوا پیدا — باپ جن کے مہا نرائن داس
زائچہ اُن کا یوں ہوا مرقوم — جس کی صحت میں کچھ نہیں وسواس
کرک کی لگن تھی صبح کا وقت — شاہ خاور کا تھا افق سے نکاس
برج سرطان میں چاند اور خورشید — منگل اور شکر ہیں اُنہیں کے پاس
دوسرے گھر میں ہے زحل اور بدھ — کیت پنجم ہے گیارہویں راس

جوہر کی پرورش بڑے لاڈ پیار سے ہوئی۔ کیونکہ آپ اپنے والد کی اکیلی نرینہ اولاد تھے۔ آپ کی تعلیم پر کثیر رقم صرف کی گئی۔ لیکن اعلیٰ تعلیم حاصل نہ کر سکے صرف لیگل پریکٹشنر (Legal Practitioner) کا امتحان پاس کیا۔

جوہر کے محبوب مشاغل میں گھوڑے کی سواری، کشتی، تلوار چلانا، بندوق سے نشانہ لگانا، ہاکی اور فٹ بال کھیلنا تھے۔ آپ جوانی کے زمانے میں انگریزی ہیٹ (Hat) مختلف اقسام کے لباس زیب تن کرتے تھے۔ آپ کی پہلی شادی بابو کنج بہاری لال کی صاحبزادی سے ۲۶ اپریل ۱۹۰۶ء کو ہوئی مگر اُن کا انتقال مئی ۱۹۱۴ء میں ہو گیا۔ دوسری شادی رائے نرائن داس شنکر زادہ رئیس قلعہ جہانگیر آباد سہسوان کی صاحبزادی سے ۷ فروری ۱۹۱۶ء کو ہوئی۔ اُن کے بطن سے چار لڑکے دیویندر نرائن (M A، LL B) سریندر نرائن (B.Sc) راجیندر نرائن (آپ نے بی۔ اے تک تعلیم پائی بعمر ۲۵ سال فوت ہوئے) ردیندر نرائن (B.A) اور پانچ لڑکیاں ہوئیں۔

چونکہ آپ کا تعلق ایک تعلیم یافتہ، خوش حال، معزز اور شعر وسخن کا ذوق رکھنے والے شاعر گھرانے سے تھا۔ جس کا اثر آپ پر بھی پڑا۔ بقول پروفیسر ضیا احمد بدایونی۔

"بابو صاحب کے گھرانے میں نہ صرف فارسی بلکہ عربی کا بھی خاصہ چرچا رہا ہے۔ اُن کے والد بزرگوار نیز عم ذی وقار اور دوسرے بزرگ فارسی میں اچھی دست گاہ رکھتے تھے۔ فارسی بے تکلف بولتے اور لکھتے اور فارسی اردو میں شعر کہتے تھے۔ خود بابو صاحب کو فارسی سے لگاؤ اور شعر گوئی کا شوق ہے"[1]۔

مولوی رفیع احمد عالی بدایونی سے آپ کے والد منشی سکھ لال طپاں کے دوستانہ مراسم تھے۔ طپاں کے انتقال کے بعد مولوی صاحب نے تازیست جوہر صاحب کا خیال رکھا۔

ہردے نرائن جوہر کا انتقال ۱۹۸۵ء میں گنور میں ہوا۔

نمونہ کلام

تاروں کی وہی چھاؤں وہی رنگِ زمیں ہے
صرف ایک نگہِ شوق ہی ویران و حزیں ہے
فرقت سے محبت میں کوئی فرق نہیں ہے
نظروں سے کوئی دور مگر دل کے قریں ہے
دیکھے کوئی انسان سے انسان کی دوری
مذہب کی کہیں رنگ کی دیوار کہیں ہے
دل کا مرے یہ حال ہوا ضبطِ فغاں سے
جیسے مرے دل میں تری اب یاد نہیں ہے

---

[1] قلمی مسودہ از ہردے نرائن جوہر۔

بیکار سی ضد ہے اسے تم سن نہ سکوگے
روداد غم ہجر سنانے کی نہیں ہے

جلووں کو ابھی اذنِ تماشا تو نہ دیجے
جوہر میں ابھی طاقتِ دیدار نہیں ہے

چندر

چندر پرکاش دیکشت چندر کا جنم ۱۵ مئی ۱۹۴۳ء کو سہسوان ضلع بدایوں میں ہوا۔ آپ کے والد کا نام نند کشور تھا۔ ابتدائی تعلیم سہسوان میں ہوئی۔ اور وہیں سے ہائی اسکول کا امتحان پاس کیا۔ شری کرشنا انٹر کالج بدایوں سے انٹر میجیٹ کیا۔ چندوسی سے B.Com پاس کیا اور مرادآباد سے L.L.B کی ڈگری حاصل کی۔ ۱۹۷۳ء سے ۱۹۸۳ء تک بدایوں میں پریکٹس کی۔ فروری ۱۹۸۳ء سے Asst D.G.C. ہیں اور بدایوں میں ہی مقیم ہیں۔ چندر صاحب کی شادی ۱۹۶۹ء میں کنور گاؤں (ضلع بدایوں) سے ہوئی۔ اولاد میں تین لڑکے ہیں

چندر صاحب کی ادبی زندگی کا آغاز تقریباً ۱۹۶۹ء میں ہوا۔ ۱۹۷۵ء سے دلکش لوہا ٹھیری کے حلقۂ تلامذہ میں شامل ہیں۔ چندر صاحب کا کلام اردو ہندی کے اخبارات میں اکثر شائع ہوتا ہے۔ ان اخبارات میں قومی جنگ ہماری آواز، امر پربھات (ہندی) وشو مانو (ہندی) وغیرہ شامل ہیں۔

چندر صاحب کو انور مرزاپوری کا کلام پسند ہے۔ آپ بزم فانی کے مینیجنگ سکریٹری، انجمن فروغِ ادب سہسوان کے وائس پریسیڈنٹ، کاویہ وانی

Unemployment Urdu کے صلاح کار اور (काव्य-वाणी)
teacher Asso U.P. کے صدر ہیں۔

نمونہ کلام

وفا کی راہ پر جانا پڑے گا تو ہر مشکل سے ٹکرانا پڑے گا

بات کرنا بھی تھا جرم تری محفل میں ہم نے خاموش نگاہی سے بڑا کام لیا

وقت کا مارا اُبیچارہ کیسے بھلائے اس منظر کو
جس دن دنیا اُجڑی ہو گی اور مقدر پھوٹا ہو گا

ہمارا قصۂ غم اتنا مختصر تو نہیں لگے گا وقت ابھی حالِ دل سنانے میں

ایک تنکا بھی نہیں جب آشیانے میں مرے
پھر یہ کس کا گھر جلانے آ رہی ہیں بجلیاں

موت دامن بچاتی رہی ہے زندگی سے میں لڑتا رہا ہوں

ساتھ میرا نہ تم دے سکو گے زندگی کے کسی بھی سفر میں
میں ہوں باسی غموں کے نگر کا تم پلے ہو بہاروں کے گھر میں

صفحہ ۶۵ کا حاشیہ۔ لہ علاء الدین دلکش جنوری ۱۹۴۶ء میں لوہا کھیر ضلع بدایوں میں جناب شمس الدین کے یہاں پیدا ہوئے۔ تعلیم بی۔اے تک ہے۔ میونسپل بورڈ بدایوں میں ملازم ہیں سحاب سخن ابرا حسنی گنوری سے شرف تلمذ حاصل ہے۔ دلکش صاحب کئی کتابوں کے مصنف و مرتب ہیں۔ چندر صاحب کے علاوہ کئی ادبی [illegible] ہیں۔

کل تک تو میں ہی میں تھا زمانے کے واسطے
کیوں آج میرے درد میں شامل نہیں کوئی

ہم نے بدلا نظامِ چمن جب کبھی
راہزن ہی ملے رہبری کے لئے

مٹا سکے جو نفرتوں کی تیرگی
دیا اک ایسا پیار کا جلائیے

اجڑا اُجڑا ہے ویران سا ہے مگر
اس چمن میں مرا آشیانہ تو ہے

قطعات۔

آج کے دور میں زندگی تلخ ہے
زہر کے گھونٹ کب تک پیئے گا کوئی
آپ جینے کی مجھ کو نہ دیجے دُعا
ایسے ماحول میں کیا جیئے گا کوئی

جو مشکل ہو سکے آساں اُسے مشکل نہیں کہتے
بآسانی جو مل جائے اُسے منزل نہیں کہتے
دھڑکتا دل تو اے چند ہر اک سینے میں ہے لیکن
نہ ہو احساسِ غم جس میں اُسے ہم دل نہیں کہتے

حاضرؔ

کانکا پرشاد نام حاضرؔ تخلص تھا۔ آپ کے والد کا نام منشی اندر جیت تھا
حاضرؔ کا تعلق کالستھ گھرانے سے تھا۔ آپ محلہ کوچہ پانڈہ کے رہنے والے تھے۔

فنِ شاعری میں دیبی پرشاد سحرؔ (ف ۱۹۰۲ء) کے شاگرد تھے۔ ۱۰ اپریل ۱۹۱۳ء کو انتقال ہوا۔

نمونہ کلام

تڑپنا برق کا جو آسماں پہ شکل بسمل ہے
کسی بالے کی بجلی یا کسی بیتاب کا دل ہے

حضرتؔ

پنڈت دھرم نرائن نام حضرتؔ تخلص تھا۔ آپ مولوی عبدالحمید تحسینؔ بدایونی کے شاگرد تھے۔ جس کا اعتراف حضرتؔ نے ایک شعر میں کیا ہے۔

حضرت تحسینؔ کی برکت سے مجھے
شعر کہنے کی لیاقت ہو گئی

حضرتؔ کا مجموعۂ کلام بعنوان "دیوانِ "حضرت" سنہ ۱۹۰۰ء میں منشی رام نرائن سب رجسٹرار کی فرمائش پر وکٹوریہ پریس بدایوں میں طبع ہوا تھا۔ کلام سلاست و صفائی، محاورہ بندی، چست تراکیب، تغزل، تشبیہات و استعارات سے مزین ہے۔ مجموعۂ کلام نایاب ہونے کی وجہ سے نمونہ کلام زیادہ درج کیا جا رہا ہے

نمونہ کلام

ہر ایک سے تجھے خوب ہی جانتے ہے خدایا ۔۔۔ پر بھید کسی نے بھی کبھی تیرا نہ پایا

ماخذ۔ تجلیاتِ سخن۔

اب کیا حجاب کرتی ہو آنکھیں ملائیے　　　میرا تمہارا سامنا سو بار ہو چکا

کیا جانے کیوں کشیدہ ہیں کھلتا نہیں یہ بھید
جلنے عدو نے ڈال دیا ہے فتور کیا
انصاف کی نگاہ سے خود بھی نہ دیکھ لو
میرا قصور کیا ہے تمہارا قصور کیا

رقیبِ ناسزا بیٹھا یہ کیا باتیں بناتا ہے
قیامت کا نمونہ ہے لگانا منہ بھی دشمن کا
کبھی کہنا کہ آتے ہیں کبھی کہنا نہیں آتے
وہ ثمرہ بھولے پن کا یہ شگوفہ ہے لڑکپن کا
قمر پر یہ گھٹا چھائی ہے یا سورج گہن پر ہے
رخِ روشن پہ ڈالا ہے جو برقعہ زلفِ پُرفن کا

لگا جو کیفیت کہنے میں اُن سے ہیر رانجھا کی
کہا جھنجھلا کے میں قصہ نہیں سنتا گنواروں کا
گلہ بیجا ہے سب شکوہ عبث ہے اے دلِ ناداں
اُنہیں ہے کیا غرض جو حال پوچھیں بیقراروں کا
نہیں ہیں داغ چیچک کے نمایاں روئے جاناں پر
نظر آتا ہے مجھ کو بدر پر جلوہ ستاروں کا

زلفوں کو ذرا مصحفِ عارض سے ہٹا لو　　　کافر چھوئیں قرآن یہ ایماں ہے کہاں کا

اِک شعر بھی موقع کا غزل میں نہیں حضرتؔ کس بات پر پھر آپ کو دعویٰ ہے زباں کا

گماں ہو جائے گا پورا سبھوں کا تجھ پہ اے قاتل
نہ رہ جائے کہیں دھبہ لگا خونِ شہادت کا
لبوں پر آہ منھ فق اور گریباں چاک پھرتے ہیں
یہ ہوتا ہے نتیجہ سادہ رویوں کی محبت کا
بروزِ حشر گر پرسش ہوئی مجھ سے تو کہہ دوں گا
کہ میں بھی ایک فردِ خاص ہوں حضرتؔ کی اُمت کا

آج خود جا کے سر کٹائیں گے مورچہ ہے ہمارا قاتل کا
ہنس کے بولے وہ آیئے حضرتؔ کر لیں ہم تم تبادلہ دل کا

سلامت رہے تیغِ قاتل الٰہی بلا سے اگر سر ہمارا نہ ہوگا

روزِ محشر مری بخشش کا یہ ساماں ہوگا لب پہ تو نامِ نبی ہاتھ میں قرآں ہوگا
فصلِ گل آ گئی وحشت کا زمانہ ہے قریب نہ تو دامن ہی رہے گا نہ گریباں ہوگا
اور پیدا جو ہوئے آپ سے دو چار حسیں یہ بدایوں بھی کسی روز پرستاں ہوگا
یوں ہی گر اور رہے گا دلِ نالاں حضرتؔ چشمِ گریاں سے رواں نوح کا طوفاں ہوگا

دو قدم چل کر وہ ظالم یوں مچل کر رہ گیا حشر بھی حیرت سے اپنے ہاتھ مل کر رہ گیا
گرمیٔ الفت سے مجھ کو دیکھ کر زار و نزار آج کچھ اس سنگ دل کا دل پگھل کر رہ گیا

عارضِ جاناں پہ پیدا تِل کا دانا ہو گیا
مرغِ دل کے پھانسنے کو اِک بہانا ہو گیا

ستم گر تیغ کو کھینچے مقابل میرے جب آیا
جُھکایا سر وہیں میں نے مجھے پاسِ ادب آیا
ستم گر یوں تو گھنٹوں داستانِ درد سنتا ہے
جو آیا حرفِ مطلب لب پہ بس جانو غضب آیا

مجھ پر تمہارے عشق میں کیا کیا نہیں ہوا
جو کچھ ہوا بجا ہوا بیجا نہیں ہوا
نا آشنائیوں کا کسی کے ہے کیا گلہ
دل سا رفیق ہجر میں اپنا نہیں ہوا
بدنام تم اگر ہوئے کیا ڈر کی بات ہے
میں کیا تمہارے عشق میں رسوا نہیں ہوا
اے طفلِ اشک عمر تری ہو جیو دراز
غم خوار کوئی ہجر میں تجھ سا نہیں ہوا
شکوہ ستم شعار کا کرتے ہو کس لئے
حضرت وہ بے وفا تو کسی کا نہیں ہوا

میرے لاشہ پر وہ بولا آ کے وہ عیسیٰ نفس
قم باذن اللہ کہا تو اب بھی بیجاں ہی رہا
کیا کہوں میں راحتِ جاں آپ کی ہے وہ مثل
لاکھ طوطے کو پڑھایا پر وہ حیواں ہی رہا

آگیا پہلو میں وہ رشکِ قمر آپ سے آپ
ہو گیا جذبۂ الفت کا اثر آپ سے آپ
ہائے رونا ہے تو ہر وقت اسی کا رونا
بہے جاتے ہیں مرے دیدۂ تر آپ سے آپ
میں نے جو کچھ بھی کہا ہو تو خدا شاہد ہے
کچھ سے کچھ ہو گئی قاتل کی نظر آپ سے آپ

ہے دل میں مرے ابروئے خمدار کی صورت
آئینہ میں جس طرح ہو تلوار کی صورت
خاموش رہوں منہ کو تو آتا ہے کلیجہ
کہتا ہوں جو کچھ تو ہوتی تکرار کی صورت
اِک وہ ہیں جو اس شوخ کے بیٹھے ہیں برابر
اِک ہم ہیں کھڑے دور گنہگار کی صورت
ہووے گا دلِ زار مرا حشر میں شاداں
دیکھے گا جب اس حضرت غفار کی صورت

وہ نہ آنے کے ہم نہ جانے کے　　اُن کی یہ ہٹ تو یہ ہماری ہٹ

اس مہ لقا کی زلف معنبر کو دیکھ کر　　دھوکے میں ہم پکار اُٹھے مار مار آج
مجھ سے تو بولے آتے ہیں پہنچے عدو کے پاس　　جاتا رہا حضور کا سب اعتبار آج

غیر کو ہرگز نہ آنے دیجئے اپنے قریں
بے ادب اب ہو گیا ہے بدزباں اچھی طرح

بدنصیبی تو دیکھو بلبل کی　　پہنچی گل تک تو آگیا صیاد

ہو گزر میرا تری بزم میں جاناں کیونکر
بیٹھ سکتا ہے پریزادوں میں انساں کیونکر

آج تو خیر مگر کل کو بروزِ محشر
ہاتھ سے میرے چھڑا سکتی ہو داماں کیوں کر

آپ کیا ہیں کیا عدو کیا اور کوئی کیا بھلا
چال سب چلتے ہیں لیکن بندہ پرور دیکھ کر

ضبط و صبر و ہوش و طاقت ہو گئی کافور سب
اِک فقط جانِ حزیں باقی رہی بسمل کے پاس
ناز میں انداز میں ہر بات میں ہے لاجواب
جانیے وہ فتنہ گر بیٹھا ہے کس کامل کے پاس

در پر ہمیں رقیب کے جانے سے کیا غرض
دشمن سے راہ و رسم بڑھانے سے کیا غرض
اس بے وفا کی بزم سے جانے سے کیا غرض
بیٹھے بٹھائے رنج اُٹھانے سے کیا غرض
باتیں یہ جھوٹ سچ بنانے سے کیا غرض
جانا جو ہے تو جاؤ بہانے سے کیا غرض
دنبالہ کھینچیے نہ خدارا قریبِ چشم
نرگس میں اور شاخ لگانے سے کیا غرض
مجھ سے کبھی نہ ہوگی مدارات غیر کی
تم سے غرض ہے مجھ کو زمانے سے کیا غرض

جانے کیا اضطراب میں لکھا — کر دیا اس نے پارہ پارہ خط
ہے کسی کے غم میں یہ سوز و گداز — ورنہ کیوں روتی ہے یوں بیکار شمع
صبح ہوتے کس نے کی جلوہ گری — ہو گئی حضرت جو بے انوار شمع

نوح کی کشتی نہ آ جائے کہیں طوفان میں
آج دیتے ہیں خبر یہ چشمِ گریاں صاف صاف

پھنس کے ان پھندوں میں انساں کا نکلنا ہے محال
کہہ رہی ہے اس صنم کی زلفِ پیچاں صاف صاف

ملا مجھ کو نہ اس بت کا ٹھکانہ — گیا کاشی سے میں اکثر گیا تک
نہ دل اس سنگدل کا حیف پگھلا — پکڑ میں نے لئے اک روز پا تک
نہ چھوڑا مفلسی نے وائے قسمت — کیا گو پاس ایم اے اور لا تک

ترا منھ نہیں ہے چھپانے کے قابل — یہ تحفہ ہے سب کو دکھانے کے قابل

گرجے میں دیر میں کہ حرم میں کہاں نہیں — ہے کون سی جگہ وہ جہاں جانِ جاں نہیں

یہ ممکن ہی نہیں ہرگز نہ لائیں رنگ محشر میں
جو دھبّے خون کے موجود ہیں قاتل کے خنجر میں
میں اُنکے روئے روشن کو جو نسبت دوں تو کس سے دوں

نہ وہ مہتاب میں خوبی نہ جلوہ مہرِ انور میں

جہاں نکلا ہے دم اپنا وہیں پر قبر بھی ہوگی
لگی ہے آپ کے گھر سے بجھے گی آپ کے گھر میں

رقیبوں سے یہ میٹھا بولنا ہرگز نہیں اچھا
کہے دیتا ہوں پڑ جاؤ گے تم اک دن کھٹائی میں
جہاں تک ہو سکے مخلوق سے نیکی کرو حضرتؔ
جو حاصل ہے بھلائی میں نہیں حاصل برائی میں

بتانِ سنگ دل کے دل بظاہر موم ہیں حضرتؔ
مگر باطن میں گر دیکھو تو وہ پتھر نکلتے ہیں

ادھر دیکھتے ہیں اُدھر دیکھتے ہیں
تجھے دیکھتے ہیں جدھر دیکھتے ہیں
خدا جانے چمکے گا کس کا ستارہ
پڑھے بام پر وہ قمر دیکھتے ہیں
ترے عاشقوں کو ہمیشہ ستم گر
رکھے ہم ہتھیلی پہ سر دیکھتے ہیں

اب تو حضرتؔ ہی جہاں دیکھو نظر آتے ہیں
آتشؔ و ناسخؔ و آبادؔ کہاں میرؔ کہاں

لبوں پہ منتظر بیٹھی ہوئی ہے جان جانے کو
یہی موقع ہے آ جاؤ مسیحائی دکھانے کو
جہاں میں اور بھی تو ہیں ہزاروں آزمانے کو
ہمیں کو دیکھ پایا ہے فلک تو نے ستانے کو

خدا کے واسطے چرخِ ستم گر مہربانی کر
بتانِ بے وفا کیا کم ہیں اپنا دل دکھانے کو
ہجومِ عاشقاں وہ دیکھ کر درباں سے یوں بولے
کہاں سے آ گئے یہ لوگ در پر غل مچانے کو

ذرا قشقہ کی ماتھے پہ صنم تحریر تو کھینچو
مقابل میں قمر کے بدر کی تصویر تو کھینچو

ہوتا ہے جس کی دید سے خوش دل تمہیں تو ہو
کہتے ہیں جس کو حور شمائل تمہیں تو ہو
انداز میں، ادا میں، کرشمہ میں، ناز میں
جور و جفا میں حسن میں کامل تمہیں تو ہو
کہتے ہیں اب تو آپ ہی وہ مجھ سے برملا
میری نگاہِ ناز کے بسمل تمہیں تو ہو

یوں کہنے لگا بات پہ مطلب کی بگڑ کر
نادان نہیں تم سے ہوں ہوشیار زیادہ

دیکھ کر مجھکو وہ یوں کہنے لگے
عشق میں کس کے یہ حالت ہو گئی
وہ گلِ رعنا جب آیا قبر پر
رشکِ جنت میری تربت ہو گئی
جو کہا میں نے وہ غیروں سے کہا
سست کیوں انکی طبیعت ہو گئی
دے کے دل اس فتنہ گر کو ناصحا
ہم کو پہلے ہی نصیحت ہو گئی
بوسۂ لب دے کے یوں کہنے لگے
من کی چلیتی اب تو حضرت ہو گئی

ادا کی ناز کی شوخی کی شر کی اور شرارت کی
کروں کیا کیا صفت میں فتنۂ روزِ قیامت کی

گیا در پر جو میں اُن کے تو مجھ کو دیکھ یوں بولے
کہاں رہتے ہو کیسے آئے ہو کیسی عنایت کی
جفا و جور کرنا اور پھر آنکھیں چُرا جانا
یہی باتیں ہوا کرتی ہیں اے جاناں محبت کی

ہزاروں مر گئے ٹکرا کے سر لاکھوں ہوئے بسمل
جفائیں چرخ سے بڑھ کر ترے در کی زمیں نکلی

دل لے چلا ہے گیسوؤں والوں کے سامنے
جینا مرا محال ہے کالوں کے سامنے

سمجھے ہوئے ہیں ہم یہ اشارے حضور کے
چلئے نہ چال چاہنے والوں کے سامنے

خاک ہو جائے گا دعویٰ ابھی یکتائی کا
آئینہ جا کے ذرا اُن کو دکھائے کوئی

لوٹ دیتے ہیں صفیں حسن و نزاکت والے
کام کر سکتے ہیں کب ایسا شجاعت والے
وہ نہیں ہیں جو تری تیغ سے منہ کو موڑیں
موت کو کھیل سمجھتے ہیں محبت والے
کچھ بھی مذہب نہیں جز حسن پرستی میرا
اُن کا بندہ ہوں جو بنے ہیں محبت والے
چار آنکھیں تو کریں مجھ سے کبھی وہ حضرت
ہم بھی تو دیکھ لیں کیسے ہیں رعونت والے

گلوں کا رنگ ہے گر زیب بوستاں کے لئے
تو بلبلوں کی زباں نالہ و فغاں کے لئے

کیا تھا ہم کو کیوں بدنام لوگوں نے محبت میں
مگر ہاں عاشقوں کی سی تو صورت ہم بھی رکھتے ہیں

کوچۂ یار میں میرا جو گزر دیکھیں گے
بالیقیں غیر سبھی موت کا گھر دیکھیں گے
سنتے ہیں مردے کو ٹھوکر سے وہ دیتے ہیں جلا
ہم بھی اک روز اسی امید پہ مر دیکھیں گے

مری جانِ حزیں آ کے ہونٹوں پر اٹکتی ہے
کسی رشکِ مسیحا کی یہ شاید راہ تکتی ہے

ماخذ:۔ دیوانِ حضرت

حیرت

نام رابنسن جون، تخلص حیرت ہے۔ آپ کے والد الٹن جون مخلص (ف ۱۹۵۵ء) ایک کہنہ مشق شاعر تھے۔ حیرت ۲۳ ستمبر ۱۹۲۶ء کو بدایوں میں پیدا ہوئے۔ ہائی اسکول تک تعلیم حاصل کی۔ ہیلتھ ڈپارٹمنٹ میں ملازم ہیں۔

گھر کے ادبی ماحول نے آپ کی طبیعت کو بھی متاثر کیا۔ ۱۹۴۵ء سے باقاعدہ شاعری کر رہے ہیں۔ آپ کو حاجی عبدالجامع جاؔمی[1] بدایونی (ف ۱۹۶۵ء) سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ جاؔمی صاحب کے پاکستان منتقل ہو جانے کے بعد آپ اپنے استاد بھائی جناب رونقؔ[2] بدایونی سے مشورہ سخن فرماتے ہیں۔ حیرت صاحب شاعری کی جملہ اصناف میں طبع آزمائی کرتے ہیں۔ آپ کے کلام میں سلاست و روانی کے ساتھ ساتھ گہرائی و گیرائی کے اچھے نمونے ملتے ہیں۔ اس وقت آپ بدایوں کے کہنہ مشق شعراء میں ایک امتیازی حیثیت رکھتے ہیں۔ شعری نشستوں میں اکثر نظر آتے ہیں۔

نمونہ کلام

مانا کہ مجھ پہ چشم عنایت نہیں مگر
وہ میرا حال سُن کے پشیماں ہوئے تو ہیں

کہو تو نذر کروں دل کے چند ٹکڑے ہیں
یہ پھول مل نہ سکیں گے کسی کے دامن میں

کوئی اتنا تو پوچھے باغباں سے
چمن میں پھول کیوں مرجھا گئے ہیں

کسی کی چشمِ رحمت کے اشارے ہم نے دیکھے ہیں
بنے ہیں کس طرح ذرے ستارے ہم نے دیکھے ہیں

---

[1] جاؔمی بدایونی کے حالات صفحہ ۱۰۰ پر ملاحظہ فرمائیں

[2] رونق علی خاں نام ہے۔ جنوری ۱۹۲۳ء میں پیدا ہوئے۔ والد ماجد کا اسم گرامی عبداللہ تھا۔ آپ محکمۂ تعلیم میں ملازم تھے۔ حضرت جاؔمی بدایونی سے شرف تلمذ حاصل ہے رونق صاحب کے تلامذہ کا سلسلہ دراز ہے عنقریب آپ کا شعری مجموعہ شائع ہونے جا رہا ہے۔ شاداب

جہاں کو عشرتیں ملتی ہیں جنکے غم کے صدقے میں
جہاں میں ایسے بھی کچھ غم کے مارے ہم نے دیکھے ہیں
بھکاری ہم تو ہیں حیرتؔ اسی دربارِ اقدس کے
سلاطیں بھی جہاں دامن پسارے ہم نے دیکھے ہیں

عزم محکم سے جہاں کام کیا ہے میں نے
گردشِ وقت کا رخ موڑ دیا ہے میں نے
یوں ہی ساقی کی نگاہوں سے نہیں بن جاتی
مدتوں خونِ تمنا بھی پیا ہے میں نے
اس سے حالاتِ گلستاں کا تصور کر لو
موسمِ گل میں چمن چھوڑ دیا ہے میں نے

اس قدر یاس کے گھیرے ہیں اندھیرے اے دوست
شمعِ اُمید جلاتے ہوئے جی ڈرتا ہے

غرض اس سے نہیں قاصد کہ کیا لکھا ہے ظالم نے
یہ کیا کم ہے کہ اس کے ہاتھ کی تحریر دیکھیں گے
الٹ دے وہ نقابِ رخ سرِ محفل اگر حیرتؔ
تو ساری بزم کو ہم صورتِ تصویر دیکھیں گے

مجھ کو اے دوست اس امید نے مرنے نہ دیا
تو کہیں آ کے شبِ غم مجھے آواز نہ دے

جب زندگی سے اُٹھ نہ سکا میرا بارِ غم
تنگ آ کے خود ہی چھوڑ گئی زندگی مجھے
دنیا کو آ گئی جو ہنسی میرے حال پر
دنیا کی اِس ہنسی پہ ہنسی آ گئی مجھے

غمِ حبیب کا جب کوئی قدرداں نہ رہا
تو اپنے دامنِ ہستی میں دی اماں میں نے

رہِ حیات کی تاریکیوں میں اے حیرتؔ
قدم سنبھل کے اُٹھاؤ بڑا اندھیرا ہے

خنداں

خیراتی لال نام خنداںؔ تخلص تھا۔ والد کا نام ڈالچند تھا۔ آپ کا تعلق برہمن خاندان سے تھا اور محلہ چوبے کے رہنے والے تھے۔ خنداںؔ کی ایک کتاب "مثنوی خنداں" راقم الحروف کے کتب خانے میں محفوظ ہے۔ جس پر میرا ایک مضمون تیج ویکلی دہلی کی ۹، ستمبر سنہ ۱۹۸۴ء کی اشاعت میں شائع ہوا تھا۔ یہ مثنوی سنہ ۱۳۱۱ھ میں متھرا پرشاد خلف جے سنگھ رائے (کائستھ) کی فرمائش پر خنداںؔ نے لکھی تھی۔

مثنوی خنداں مطبع نسیم سحر بدایوں میں طبع ہوئی یہ $\frac{۱۸×۲۲}{۸}$ سائز کے ۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ مثنوی میں کل ۱۰۱ اشعار ہیں۔ یہ مثنوی "بحرِ خفیف مسدس

مجنون محذوف میں ہے۔ جس کا وزن فاعلاتن مفاعلن فعلن ہے۔ مثنوی میں جس واقعہ کو نظم کیا گیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک بار خنداںؔ ریل میں سفر کر رہے تھے دورانِ سفر اُن کی ملاقات ایک ایسے شخص سے ہو جاتی ہے جو اپنے محبوب کی یاد میں سرد آہیں بھر رہا تھا۔ خنداںؔ[1] نے اس سے اس کی بدحالی کا سبب دریافت کیا اس نے اپنی محبت کے آغاز سے لے کر محبوب سے جدائی تک کا سارا واقعہ اُنہیں سنایا جسے شاعر نے نظم کیا ہے۔ مثنوی کے آغاز میں حمد کے دو شعر ہیں۔

پہلے لکھتا ہوں حمدِ ربِّ کریم	رازق الخلق ہے یہ شانِ عظیم
اولاً وصف حق مے باید	بعدہٗ کارِ دنیوی شاید

فراق کی بیتابی کا منظر دیکھئے

جبکہ آتی اُسے صنم کی یاد	چرخ سے یوں کرے تھا وہ فریاد
کیا کیا میں نے اے فلک تیرا	جس سے تو نے کیا صنم کو جدا
کیوں جدا کر دیا ہے میرا صنم	کیوں دیا تو نے مجھ کو اتنا غم
میں تو تیرا مدام تھا مشکور	کیوں کیا مجھ سے میرا دلبر دور
مجھ سے میرے صنم کو ملوا دے	میرا رنجِ فراق مٹوا دے
یا مجھے موت دے مرے اللہ	یا ملا دے صنم کو اے اللہ

محبوب کا سراپا ان خوبصورت الفاظ میں بیان کیا ہے۔

اس کے کاکل تھے لے کے تا بہ کمر	سانپ جیسے ہو نخلِ صندل پر
مثل خورشید اس کی پیشانی	بھر دمہ اس کے روبرو پانی
اس کے ابرو تھے خنجرِ قاتل	جس طرف جھک پڑیں وہ ہو بسمل
چشم تھی رشک دیدہ آہو	سرمگیں تھی بھری ہوئی جادو

---

[1] بدایوں اسمارکا ۱۹۸۱ء (बदायूँ स्मारिका) میں ڈاکٹر ار ملیش کے مضمون میں دھوکے سے زنداں (ज़िन्दां) شائع ہو گیا ہے۔

مثل طوطا کے اس کی تھی بینی / جس کے دیکھے سے ہووے بے چینی
چاند سے اس کے دونوں رخسارے / دیکھتے ہی مجھے لگے پیارے
تھا دہن تنگ لب تھے پارۂ لال / در دنداں ستاروں کی تمثال
دونوں کانوں میں اسکے تھے بالے / ماہ کے گرد جیسے ہوں ہالے
سرخیٔ پان گلے میں جھلکتی تھی / جیوں صراحی شراب سے ہو بھری
دونوں شانے تھے سیم سے سادہ / دل کے لینے کو تھے وہ آمادہ
ساعد و بازو سانچے کے تھے ڈھلے / دیکھتے ہی مجھے لگے وہ بھلے
صاف تھا سینہ خورد تھے پستاں / شاخ پر جیوں کلی ہو گل کی عیاں
تھا شکم اس کا تختہ قاقم / جس کے دیکھے سے دور ہو سب غم
تھی کمر اس کی بال سے باریک / تار سے عنکبوت کی بھی رکیک
ناف ہے مثلِ نافۂ آہو / جس میں نکلے ہے مشک سی خوشبو
سیم و زر کی ڈھلی ہوئی رانیں / جس میں عشاق کی پھنسیں جانیں
پاؤں رنگِ حنا سے تھے روشن / جملہ موزوں تھا اس کا قد و بدن

محبوب کی خوشامد کا منظر ملاحظہ کریں۔

آپ کو چھوڑ کر میں جاؤں کہاں / تم سا گل رو جہاں میں پاؤں کہاں
آپ کے ہجر میں قرار نہیں / تم سا دنیا میں گلعذار نہیں
میں تری ایسی شکل و صورت پر / جان قرباں کروں میں اے دلبر
تیری خدمت کروں میں لیل و نہار / تیری صورت پہ جاں کروں میں نثار

شاعر کے تاثرات حسینوں کی بے وفائی کے بارے میں دیکھئے۔

عشق میں یہ ہی حال ہوتا ہے / اس میں جینا وبال ہوتا ہے
عشق میں یار د جان جاتی ہے / عشق میں اکثر آفت آتی ہے
موت دے ان حسینوں کو اللہ / جو کہ کرتے ہیں عاشقوں کو تباہ

مانگ چوٹی بنا کے یہ ظالم | تیغِ ابرو سے کرتے ہیں ستم
یک نگاہ میں وہ چھین لیویں دل | عاشقوں کو پڑی ہے پھر مشکل
دیدۂ ظالماں میں ہے جادو | تیرِ مژگاں سے کاٹیں ہیں وہ گلو
پہلے کرتے ہیں وہ سلام و کلام | پھر نہیں لیتے ہیں وہ اس کا نام
گو گلی کوچہ وہ پھرے بے چین | پھر دکھاتے نہیں ہیں اسکو نین

جب نہیں ملتا عاشقوں کو صنم
کیوں نہ پھر نکلے عاشقوں کا دم

"مثنوی خنداں" کی زبان سادہ اور سلیس ہے۔ شاعر کو تصویر کشی میں کافی حد تک کامیابی ملی ہے۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ مثنوی میں فنی اغلاط بھی کہیں کہیں نظر آتی ہیں۔ کئی مصرعے اور اشعار سست بھی ہیں اور مثنوی میں معمولی سی فحش نگاری بھی ہے۔ لیکن مجموعی طور پر یہ مثنوی دلچسپ اور کامیاب ہے۔ اس مثنوی کے آخر میں خنداںؔ نے ایک غزل "بدایوں" پر شامل کی ہے۔ مطلع ملاحظہ فرمائیں۔

بدایوں شہر ہے عالی جہاں میں اے مرے جانی
ہے اس کے رشک سے دنیا میں شہروں کو پشیمانی

"بدایوں اسمار کا" میں خنداںؔ کی ایک اور کتاب "کرشن سدراما" کا ذکر بھی ملتا ہے۔

ماخذ۔ مثنوی خنداں۔ بدایوں اسمار کا (ہندی)

دانا

مٹھن لال نام تھا اور داناؔ تخلص فرماتے تھے۔ گیندن لال گوہرؔ کی کتاب "سائیں کے سو خیالات" پر آپ کا مندرجہ ذیل قطعہ تاریخ ملتا ہے۔

مجموعۂ صد خیال ہے رشکِ بہار
زیبا ہے اگر کہوں گلستانِ خیال
تاریخ کی فکر تھی مجھے اے داناؔ
ہاتف نے کہا کہ سنبلستانِ خیال
۱۲۹۴ھ

دریا

بنسی دھر نام اور دریاؔ تخلص تھا۔ آپ منشی گیندن لال گوہرؔ بدایونی کے ارشدِ تلامذہ میں شامل تھے۔

نمونہ کلام

"واسوخت نمک" پر قطعہ تاریخ ملتا ہے۔

ہیں نمک لاجواب یک شاعر
شاعروں پر اُنہیں تفوق ہے
اُن کے واسوخت میں زسرتا پا
حسن اور عشق کا تعلق ہے
پے تاریخ طبع اے دریاؔ
بادہ گلشن تعشق ہے
۱۳۰۰ھ

دستور

ستیش چندر سکسینہ نام دستور تخلص ہے۔ تاریخ پیدائش ۲۰ جولائی ۱۹۴۲ء ہے۔ آپ کے والد کا نام دین دیال سکسینہ تھا۔ دستور نے ۱۹۶۰ء میں جونیر ہائی اسکول کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۶۱ء میں دیوی سنگھ کانگلا کے اسکول میں بحیثیت استاد تقرر ہو گیا۔ لیکن یہاں زیادہ عرصہ تک قیام نہ کر سکے۔ اسکول کے چھوڑنے کے بعد سے اب تک کاشتکاری ذریعہ معاش ہے۔ ۱۹۷۵ء میں شادی ہوئی۔ اولاد میں دو لڑکیاں اور ایک لڑکا ہے

گورامئی کی سرزمین پر ماضی میں کئی شاعر ہوئے ہیں جن میں ایک گھسو خاں فریاد تلمیذ دیبی پرشاد سحر تھے۔ آپ کا تعلق اسی سرزمین سے ہے۔ اوائل عمر سے ہی شعر کہتے ہیں۔ آپ کے ذوقِ شاعری کو پروان چڑھانے میں منزل صاحب کی صحبتیں معاون رہی ہیں۔ منزل صاحب گورامئی کے اسکول میں تقرر کے دوران وہاں شعری نشستیں منعقد کراتے تھے۔ جس میں کئی بار مولانا ابر احسنی گنوری بھی شریک ہوئے۔ دستور نے ابر احسنی صاحب سے ہی مشورۂ سخن کیا اور اُنہیں کو اپنا استاد تسلیم کرتے ہیں۔ آپ کا کلام کبھی کبھی اخبارات و رسائل کی زینت بنتا رہا ہے۔ اب جناب منزل نوہا کٹھیری سے اصلاح لیتے ہیں۔

نمونہ کلام

فتح ہوتی ہے زمانے میں اسی نام کے ساتھ
کھیلتا رہتا ہے جو گردشِ ایّام کے ساتھ

میکشی اور اکیلے میں نہیں اے ساقی
مے پیونگا تو پیونگا کسی گلفام کے ساتھ
چارہ گر درد کے درماں کا نتیجہ کیا ہے
اس کو رہنا ہے ہمیشہ دلِ ناکام کے ساتھ
کس لئے ہوتے ہو تم خوش مری رسوائی پر
نام آتا ہے تمہارا بھی مرے نام کے ساتھ
اُن کو دل دے کے جئے کیسے کوئی کیا جانے
عمر دستور گزاری دلِ ناکام کے ساتھ

فرق نزدیک اب مرے کچھ دوست دشمن میں نہیں
جب سے تیرا پیار میرے دل کے دامن میں نہیں
اتنا رویا ہوں کہ آنسو خشک ہو کر رہ گئے
اب بھرن کوئی مری آنکھوں کے ساون میں نہیں

راحت

ٹھاکر گردھاری سنگھ نام راحت تخلص تھا۔ ٹھاکر صاحب مجارا تحصیل داتا گنج کے رئیس و تعلقدار تھے۔

نمونہ کلام

ہوئی یہ مہربانی چشمِ تر کی — نچوڑی بوند بھی خونِ جگر کی
مجھے گھائل کر دیا تیر نگہ نے — ضرورت کچھ نہیں تیغ و تبر کی

راحت

رام لال نام راحت تخلص تھا۔ آپ کے والد کا نام منشی شب لال تھا آپ قوم کے کائستھ تھے۔ اور محلہ کوچہ پانڈہ کے رہنے والے تھے۔ آپ مختار تھے۔

فن شاعری میں گیندن لال گوہر بدایونی (ف ۱۹۰۱ء) کے شاگرد تھے دیبی پرشاد سحر سے دوستانہ مراسم تھے۔

نمونہ کلام

خوب ہو خوب ہو حصول جو ہو گل تو بلبل کو مجھکو وہ گل رو
(یہ شعر صنعت معرب مخصوص بہ ضمہ میں ہے)

لے خزانۂ قاروں تو یوں نہ غم کے عوض کہ ایک داغ جگر دوں نہ سو درم کے عوض

شب فرقت میں بیتابی سے ہر دم جلا کرتا ہوں مثل شمع کا فور[1]

رامیش

رامیشور دیال نام رامیش تخلص تھا۔ آپ محلہ سیدہ باڑہ میں رہتے تھے اور محکمہ زراعت میں ملازم تھے۔ ۱۹۴۳ء میں منعقد مشاعرے میں آپ نے طرحی غزل پڑھی تھی جو بطور نمونہ کلام پیش ہے[2]

---

[1] ماخذ۔ تجلیات سخن، خمخانہ جاوید۔
[2] ماخذ۔ گلدستہ مشاعرہ بدایوں ۱۹۴۳ء۔

نمونہ کلام

نظر آتی ہے ہمکو خواب میں تصویر جاناں کی
اُڑے ہوش و خرد پھر کیا خبر ہو جیب و گریباں کی

تڑپنے کی اجازت ہے نہ کچھ فریاد کی ہم کو
وہ کوئی دیکھے تو شوخی آفتابِ جلوہ ساماں کی

مرے گھر آیئے کہتا ہوں تو یہ صاف کہتے ہیں
کہ روز آنے سے اکثر قدر گھٹ جاتی ہے مہماں کی

تمنا ہے یہ رامیشؔ کی سری کرشن آ کے بھارت میں
بجے بنسی تری پھر کیا ضرورت ساز و ساماں کی

رسا

رگھی چند نام رام دیال عرفیت، رسا تخلص اور قومیت کائستھ تھی ۱۸۱۶ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کے مورثِ اعلیٰ رائے چھبیل داس (رئیس چھپرامئو) ضلع فرخ آباد کے رہنے والے تھے۔ چھبیل داس کے چوتھے صاحبزادے منشی کشن لال کی شادی منشی نوبت رائے (قانون گو) سہسوان ضلع بدایوں کے یہاں ہوئی۔ اسی نسبت سے کشن لال نے بدایوں میں سکونت اختیار کر لی ان کے دو صاحبزادے بدھ سین اور تلوک چند ہوئے۔ تلوک چند کے چھ لڑکے (۱) داروغہ ہر سہائے (۲) منشی پران سکھ (۳) منشی کانجی مل (۴) بخشی سیتارام (۵) داروغہ تر کھا رام اور (۶) منشی کنج بہاری لال ہوئے۔ ان میں اوّل الذکر کے تین لڑکے (۱) منشی کھیم کرن عرف منشی گوکل چند تشنہ (۲) منشی دیا شنکر عرف منشی دمی لال اور تیسرے رسا بدایونی ہوئے

رسا کو اردو فارسی اور ہندی زبانوں پر عبور حاصل تھا ساتھ ہی آپ فنِ موسیقی کے بھی ماہر تھے۔

شاعری کا شوق ورثہ میں ملا تھا۔ آپ نے اردو فارسی اور ہندی تینوں

زبانوں میں شاعری کی۔ اردو فارسی میں شاعری کی تمام اصناف غزل، مثنوی رباعی، مسدّس، قصیدہ، قطعہ، مثلث، مخمس، ہجو، چیستاں، معمّے، پہیلیاں، وغیرہ وغیرہ پر طبع آزمائی کی ہے۔ ہندی شاعری میں آپ نے بھجن، اشٹ پد اور لگ بھگ ستو گیت اور راگ بنائے چونکہ آپ کے خاندان کے لوگ فقیر منش واقع ہوئے تھے اور یہی خوبی آپ میں بھی موجود تھی۔ اسی وجہ سے آپ نے کبھی نام و نمود کی طرف توجہ نہ کی۔ آپ کے صاحبزادے منشی گیندن لال گوہر نے آپ کے کلام کو بڑی کوشش اور محنت سے یکجا کر کے بغرض اشاعت نول کشور پریس لکھنؤ بھیجا۔ لیکن وہ کلام پریس سے غائب ہو گیا۔ بعد میں مختصر کلام یاد داشت اور حافظہ سے محفوظ کر کے "دیوان رسا" کے نام سے ۱۸۹۰ء میں مطبع قیصری بریلی سے بغرض فرمائش منشی گیندن لال گوہر طبع ہوا۔

رسا کی شاعری کا دور مرزا غالب کا دور تھا۔ آپ بھی غالب ہی کی طرح فارسی اور اردو میں شعر کہتے تھے۔ مگر آپ کے اردو اشعار کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ اُن میں غالب کی طرح فارسی ترکیبوں کا استعمال نہیں ہے جس سے قاری کو کسی الجھن کا سامنا کرنا نہیں پڑتا۔ آپ کا کلام ۔ سلاست، روانی، اثر اور بے ساختگی کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ آپ کی استادانہ اہمیت کی بھرپور عکاسی کرتا ہے۔ رسا کا انتقال ۱۸۸۶ء میں ہوا۔

نمونہ کلام

نہیں ہم آپ میں پھر کیا پتہ اور کیا نشاں اپنا
نشاں ہے بے نشاں اپنا مکاں ہے لامکاں اپنا

رہے پہلے عدم میں پھر عدم سے آئے ہستی میں
لئے جاتا ہے دیکھیں آب و دانہ اب کہاں اپنا

کہیں جا کر کب ملا کا کیا اب رسا میں خلق
تھے جتنے آشنا اُسے روتے ہی سب گئے

عشق کا حکم اور دانش کا تقاضا اور کچھ
چھوڑ کر بستی کو ویرانہ بسائیں گے رسا

میں ہوں کہتا اور کچھ اور دل ہے کہتا اور کچھ
ہے سمایا اپنے سر میں اب تو سودا اور کچھ

خود ہی دلا نہ کھائیں غمِ روزگار ہم
کیوں ہوں کسی کے خاطرِ نازک پہ بار ہم

نہیں ہے عشق میں ہرگز کبھی کسی کا زیاں
نہ خرچ کرنے سے ہوتا ہے آبِ دریا کم

اگر زیاں ہے تو بس ایک اپنے جی کا زیاں
اسی طرح نہ سخاوت سے ہو سخی کا زیاں

درد لیں دل دیں بتوں کو اس سے کیا حاصل ہمیں
ہم اسی کو دل نہ دیں جس نے دیا ہے دل ہمیں

نیک کہنے کا مت برا مانو
ایک ہے حق نہ دوسرا مانو!

مت بدوں سے رلو کہا مانو!
جو خدا ہے اسے خدا مانو

عشق آخر منزلِ دشوار ہے
سہل ہے گو ابتدا کا راستہ

اٹھوائے گی انگلی مجھے ڈر ہے تو کہا مان
یہ وضع کی تجدید کسی دن نہ کسی دن

آہی جاتا ہے یقیں دل کو مرے
آپ کی سچی ہو یا چھوٹی بات

چھیڑتے ہیں حضرت ناصح کو ہم ناصح ہمیں!
جان کر سلطانِ اقلیم جنوں مجھ کو رسا

نام لے لے کر ترا ہر دم بہم کس کس طرح
خارِ صحرا نے لئے میرے قدم کس کس طرح

رواں ہیں اشک اپنی چشم تر سے بلا توقف بلا تامل
دھواں سا اُٹھتا ہے کچھ جگر سے بلا توقف بلا تامل

ہجوم غم سے نہ ہو مضطرب تو اے دل زار
ہر ایک رنج کی ہے انتہا کبھی نہ کبھی

خدا سے دور ہے جب تک خودی مزاج میں ہے
خدا سے دھیان لگا اے رسا خودی کو چھوڑ

رباعیات

خود بینی دیکھی خود ستائی دیکھی
ہر طرح جہان میں خود نمائی دیکھی
جب دل کا نکل گیا غبار آنکھ کی راہ
اس وقت کچھ اُے رسا صفائی دیکھی

اے رسا تو یہ پوچھتا کیا ہے
کیا ہے یہ جس کا نام دنیا ہے
مختصر سی میں ہے جواب اس کا
ہاں یہ دو تین دن کا جھگڑا ہے

آئی پیری گیا جوانی کا مزہ
جاتا رہا ہائے زندگانی کا مزہ
اس بے مزگی سے موت بہتر ہے رسا
دانے کا مزہ رہا' نہ پانی کا مزہ

واسوخت کے چند بند ملاحظہ فرمائیں۔

وہ بھی یکدن تھا کہ تھے شمس صفت ہم پُر نور
وہ بھی یک شب تھی کہ تھے مثل قمر ہم مشہور
وہ بھی یک صبح تھی جو علیش سے ہم تھے مخمور
وہ بھی یک شام تھی جس میں تھی تجلی بھرپور
پہلے ہم کیا تھے اور اب کیا ہیں ذرا کیجئے غور
پہلے کیا طور تھے اب آگے کو ہونگے کیا طور

یاد ایام کہ تھا قوم پہ اپنی ہمیں ناز | یاد ایام کہ مخلوق میں ہم تھے ممتاز
یاد ایام کہ اقبال تھا اپنا دمساز | یاد ایام کہ ادبار نہ تھا دست دراز

در دل ایں آتش جاں سوز نہفتن تا کے
سوختم سوختم ایں راز نہفتن تا کے

ماخذ :- دیوان منشی رام دیال رسا۔

رعنا

اسم گرامی جسونت رائے تخلص رعنا تھا۔ آپ اگست ۱۹۱۷ء میں سیتاپور میں پیدا ہوئے۔ آپ کا تعلق کائستھ گھرانے سے تھا۔ آپ کے والد بسنت رائے مخمور پولیس میں ملازم تھے اور آپ کے دادا منشی کلیان رائے سکسینہ آپ کی پیدائش کے وقت سیتاپور میں شہر کوتوال تھے۔ آپ کا خاندان پیلی بھیت سے ترکِ وطن کر کے بلسی ضلع بدایوں میں آباد ہو گیا تھا۔ رعنا صاحب کی ابتدائی تعلیم والد کی نگرانی میں ہوئی۔ ۱۹۳۶ء میں چندوسی کالج چندوسی سے ہائی اسکول کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۳۸ء میں محکمہ ریل میں اسٹیشن ماسٹر ہو گئے۔ ملازمت کے سلسلے سے مختلف مقامات پر تعینات رہے۔ ۱۹۷۵ء میں ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد بلسی کے بجائے بدایوں میں قیام پذیر رہے۔ بعد میں اپنے صاحبزادے کے ساتھ شوگر فیکٹری نوشیرہ (بدایوں) میں رہے اور یہیں زندگی کے آخری ایام گزار کر ۱۰ فروری ۱۹۸۲ء کو انتقال ہوا۔

رعنا صاحب کو ذوقِ شعر وراثت میں ملا تھا۔ آپ کے دادا کے بڑے
بھائی منشی تربینی سہائے تمؔر عربی فارسی کے عالم اور اچھے شاعر تھے اور
آپ کے والد مخمورؔ اپنے وقت کے کہنہ مشق شاعر تھے۔ ایسے ماحول میں آپ
کی پرورش ہوئی۔ والد صاحب کی امروہہ تعیناتی کے زمانے میں جناب تاجؔ
صدیقی امروہوی تلمیذ رساؔ رام پوری سے رجوع کیا۔ والد صاحب کا تبادلہ
مراد آباد ہو جانے کے سبب یہ سلسلہ ختم ہو گیا۔ لیکن آپ کی ذاتی لگن اور
محنت نے کلام میں نکھار پیدا کیا۔ ۱۹۳۵ء میں علامہ سیمابؔ اکبر آبادی (ف
۱۹۵۱ء) کے حلقۂ تلامذہ میں شامل ہو گئے۔ یہ سلسلہ استاد کی حیات تک
جاری رہا۔ رعنا صاحب نے جملہ اصنافِ سخن غزل، نظم، قطعہ، رباعی وغیرہ
پر طبع آزمائی کی ہے۔ آپ زود گوئی میں اپنی مثال نہیں رکھتے تھے۔ آپ
کا کلام اندازِ بیان کی ندرت، لب و لہجہ کی شائستگی، موسیقیت، نغمگی اور پاکیزگیٔ
جذبات کی خوبیوں سے مالامال ہے۔

رعناؔ صاحب کے بدایونی احباب میں جناب آفتاب احمد جوہرؔ (ف
جنوری ۱۹۸۱ء) جناب فخرِ عالم وغیرہ کے نام لئے جاتے ہیں۔

ماخذ۔ تذکرہ شعرائے اتر پردیش از جناب عرفان عباسی۔

نمونہ کلام

کوئی اس وقت آکر کھینچ لے تصویر خودداری
تری محفل میں ہوں اور بے نیازِ جام و ساغر ہوں

شبِ فراق میں کب تک نہ دل جلاؤں گا
چراغ و شمع سے تو روشنی نہیں ہوتی
نکل تو جاتے ہیں دل کے گھٹے ہوئے جذبات
کبھی کبھی تو فغاں بھی بری نہیں ہوتی
بہت سے مشغلے دیوانگی میں اور بھی ہیں
جنوں میں صرف گریباں دری نہیں ہوتی

نہ بے نیاز خدا ہے نہ بے وفا بت ہیں — خلوصِ دل سے مگر بندگی نہیں ہوتی

کچھ تو سازِ عشق سے سنتا ہوں اپنی بھی صدا — اور کچھ محسوس ہوتی ہے تری آواز بھی
وہ مرا دل توڑ کے پہروں کھڑے جھوما کئے — کس قدر دلکش تھی آوازِ شکستِ ساز بھی
میری نظروں سے ہے رعنا حسنِ فطرت جلوہ گر — لاکھ پردوں میں تھا لیکن کھل گیا یہ راز بھی

وہ نقشِ نامرادی انجمن میں چھوڑ آیا ہوں — غرورِ حسن کو اکثر مری یاد آ گئی ہوگی
حسن کو ہونے لگا احساسِ جذباتِ جنوں — اب خدا جانے محبت کیا سے کیا ہو جائیگی

غم بہ عنوانِ شادمانی ہے — کیا نظامِ جہانِ فانی ہے
یہ وہ ساغر نہیں جسے توڑوں — زندگی جامِ ارغوانی ہے
دل چھٹا وہ چھٹے جہان چھٹا — رہ گئی زندگی تو فانی ہے
چاند ہو حسن ہو محبت ہو — ہر حسیں چیز جاودانی ہے
چاند تارے بھی چھپ گئے رعنا — اب شبِ ہجر کچھ سہانی ہے

شکستہ دل ہوں مجھے زحمتِ بہار نہ دے — جنوں کو میرے گریباں پہ اختیار نہ دے
خزاں نصیب ہوں دل ٹوٹ جائیگا صیاد — قفس میں فرصتِ نظارۂ بہار نہ دے
رہینِ غیر اگر ہے تو زندگی ہے فضول — کسی کو اپنے دل و جاں پہ اختیار نہ دے
ہزار خار کھٹکتے ہیں روح میں رعنا — خدا قفس میں کبھی حسرتِ بہار نہ دے

بھر لیں گلِ مراد سے اوروں نے جھولیاں — ہم انتظارِ وسعتِ داماں میں رہ گئے
بیٹھے ہیں انتظار میں یارانِ میکدہ — عیشِ تمامِ کہاں تلاوتِ قرآں میں رہ گئے

بھلا کر ہم کو جس کافر نے آرام وسکوں لوٹا — اسی کی یاد ساماںِ شکیبائی بھی ہوتی ہے

کلام۔ شاعر آگرہ۔ اپریل سنہ ۱۹۴۷ء مئی سنہ ۱۹۴۷ء

رعنا

کرشن چندر سکسینہ نام رعنا تخلص ہے۔ ۲۰ دسمبر سنہ ۱۹۱۹ء کو شری بابو سہائے سکسینہ (ف ۱۹۷۰ء) کے یہاں پیدا ہوئے۔ آپ کے بزرگ عثمان پور سہسوان (ضلع بدایوں) کے رہنے والے تھے۔ اب آپ نے بدایوں میں ہی مستقل سکونت اختیار کرلی ہے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی۔ سنہ ۱۹۳۵ء میں اردو مڈل اور سنہ ۱۹۳۸ء میں ہندی مڈل کیا۔ سنہ ۱۹۴۲ء سے سنہ ۱۹۴۳ء تک گرام سدھار محکمہ میں ملازم رہے سنہ ۱۹۴۸ء میں محکمہ تعلیم میں ملازم ہوگئے۔ سنہ ۱۹۸۰ء میں ہیڈ ماسٹر سے رٹائر ہوئے سنہ ۱۹۴۶ء میں شادی ہوئی۔ چار لڑکیاں اور تین لڑکے ہیں۔

سنہ ۱۹۴۰ء سے ادبی دنیا سے منسلک ہیں۔ فوق سبزواری[1] کے شاگرد ہیں۔ ایک شعر میں اس کا اعتراف کیا ہے۔

حضرت فوق کا فیضان کرم ہے بیشک
داد دیتے ہیں مجھے اہلِ سخن سو سو بار

---

[1] سید احمد فوق سبزواری ۵ صفر سنہ ۱۳۲۲ھ کو پیدا ہوئے۔ والد کا نام حکیم مفتی محمد یٰسین تھا۔ ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی۔ سنہ ۱۹۲۵ء میں اسلامیہ اسکول سے ہائی اسکول کا امتحان پاس کیا۔ (دید و دریافت میں دھوکے سے سنہ ۱۹۲۵ء میں مڈل پاس کرنا تحریر ہوگیا ہے) اس کے بعد طب کی تعلیم والد سے حاصل کی۔ اور اپنے خالو مولوی ابوالحسن صاحب صدیقی سے فن عروض کی تکمیل کی۔ طب کو ذریعہ معاش بنایا۔ ۹ جنوری سنہ ۱۹۵۳ء کو مرحوم سردی کا شکار ہوئے اور اسی حالت

(باقی حاشیہ صفحہ ۹۷ پر)

آپ کی پسندیدہ اصنافِ سخن، غزل، نظم اور قطعہ ہیں۔ رعنا صاحب مشاعروں میں کبھی شریک ہوتے رہے ہیں۔ کلام میں متوازن لہجہ، شستگی و صفائی شاعرانہ سلیقہ مندی پائی جاتی ہے۔

نمونۂ کلام

میں انکو دیکھتا ہوں اور وہ تکتے ہیں غیروں کو — ذرا دیکھے کوئی آکر تماشا انکی محفل کا
وہ صدقہ حسن کا دیں یا نہ دیں یہ انکی مرضی ہے — مگر دل توڑنا اچھا نہیں ہوتا ہے سائل کا

نزع میں جب اُسکو دیکھا جان میں جان آ گئی — میرے حق میں وہ بُتِ کافر مسیحا ہو گیا

دل کو زخموں سے سجایا جائے گا — آپ کے قابل بنایا جائے گا
تربتِ بسمل پہ آکر کہہ گئے — نقشِ باطل ہے مٹایا جائے گا

پہلے تو یہ حالت تھی ہر شئے میں تم ہی تم تھے — اب کیا ہے جو برسوں سے دیدار نہیں ہوتا
اغیار تو دشمن ہیں دشمن سے شکایت کیا — اس حال میں اپنا بھی غم خوار نہیں ہوتا
گر آہ میں تیری کچھ ہوتا جو اثر رعنا — یہ شور و فغاں تیرا بیکار نہیں ہوتا

شاعری پر مجھے کیوں ناز نہ ہو اے رعنا — آج مشہورِ زماں ہیں مرے رنگیں اشعار

(باقی صفحہ ۹۶ کا) میں ۲۴ر فروری کی شب میں انتقال فرمایا۔ شاعری کا ذوق طالب علمی کے زمانے سے تھا۔ ماموں ابوالمظفر مضطر بدایونی کی صحبت نے شعر کہنے کی ترغیب دی۔ فوق صاحب کو جس قدر شاعری سے لگاؤ تھا اسی قدر نثر سے دلچسپی تھی آپکے ادبی مقالے اور تاریخی مضامین اکثر رسالوں میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ مرحوم کی مندرجہ ذیل کتابیں طبع ہوئیں (۱) تصویرِ عصمت (ڈرامہ) (۲) خونِ محبت (ڈرامہ)۔ (۳) نقوشِ آذر (مجموعہ کلام ۱۹۳۸ء میں طبع ہوا) (۴) جذباتِ فوق (چند نظمیں) (۵) بابِ عروض (عروض پر کتاب ہے)

(اسلامیہ کالج میگزین ۵۶-۱۹۵۵ء)

آگ برساتے ہیں تارے داغِ دل دیتے ہیں پھول
رو رہے ہیں اب زمین و آسماں تیرے بغیر
اب وہ رنگیں تغزل ہے نہ وہ زورِ کلام
ہو گئی ہے گنگ رعنا کی زباں تیرے بغیر

ہوں تو دیوانہ ازل سے پھر بھی اتنا ہوش ہے
سجدہ کرتا ہوں ترا نقشِ کفِ پا دیکھ کر
رہ گیا مجبورِ غم اپنا کلیجہ تھام کر
محفلِ دشمن میں ان کو جلوہ فرما دیکھ کر

وہ اُٹھ کر گلستاں سے کیا گئے ہیں
گلِ شاداب سب مرجھا گئے ہیں
وہ جب شامِ الم یاد آ گئے ہیں
مجھے کچھ اور بھی تڑپا گئے ہیں
حقیقت میں وہی ہیں دوست رعنا
جو اپنے وقت پر کام آ گئے ہیں

دیکھا اُنہیں جو صحنِ چمن میں بصد جمال
کلیاں تمام باغ میں مرجھا کے رہ گئیں

دھجیاں کرتا ہوں دامن کی جنونِ عشق میں
ہوش آتا ہے تو گھنٹوں تک سیئے جاتا ہوں میں

تھی بجلیوں کو فکرِ نشیمن بہت مگر
جب آ گئیں قریب تو منڈلا کے رہ گئیں

چمن میں فصلِ بہار آئی اور گزر بھی گئی
مگر یہ شوق کہ اب تک ہے انتظار میں دل

مری امید کا روشن ستارہ
سحر سے قبل ڈوبا جا رہا ہے
نہیں مٹتیں مقدر کی لکیریں
زمانہ ہے کہ بدلا جا رہا ہے

کیا ہے میرے گھر آنے کا وعدہ آج اُس نے
مجھے شک ہے نہ ہو جائے کہیں شب سے سحر پہلے

کہتے ہیں رخ پہ زلفِ معنبر کو ڈال کر
بادل کہیں نہ ہوں مہِ کامل کے سامنے
رعنا جنونِ عشق میں یہ بھی خبر نہیں
منزل سے دور تر ہوں کہ منزل کے سامنے

جس کا دنیا میں کوئی مونس و غمخوار نہیں
ایسے بیمار کو جینے کی ضرورت کیا ہے

ہجر کی بیقراریاں توبہ
رات کاٹی خدا خدا کر کے

جہاں کہیں ترا نقشِ قدم نظر آیا
سرِ نیاز وہیں پر جھکا دیا میں نے
نہ دھجیاں ہیں بدن پر نہ اشک آنکھوں میں
کہ راہِ عشق میں سب کچھ لٹا دیا میں نے

محبت کر دلِ ناداں محبت جاودانی ہے
محبت کے سوا جو چیز ہے دنیا میں فانی ہے
نہ کیوں مقبول ہو رعنا زمانے میں کلام اپنا
تخیل میں بلندی ہے طبیعت میں روانی ہے

محفلِ دشمن میں یوں بیٹھے ہوئے ہیں مطمئن
جیسے اُٹھتے ہی قیامت سی بپا ہو جائیگی

ابھی سے آپ نے کیوں ٹھان لی ہے جانے کی
ابھی تو اور ہیں کچھ سرخیاں زمانے کی
وہ اس ادا سے اُٹھاتے ہیں بزم سے مجھکو
کہ جیسے یہ بھی کوئی رسم ہے اُٹھانے کی

جب آہ کے پردے میں تاثیر نظر آئی
ہر سمت مجھے تیری تصویر نظر آئی

شاملِ حال ہے جب نگاہِ کرم
خود بخود دور ہو جائیں دل سے غم

قطعہ

ہائے وہ دل نہ رہا ہائے وہ حسرت نہ رہی
وہ ترنگیں وہ اُمنگیں وہ مسرت نہ رہی
گلشنِ حسن و محبت کا خدا حافظ ہے
پھول باقی ہیں مگر پھولوں میں نکہت نہ رہی

رہبر

سریش چندر جوہری نام رہبر تخلص تھا۔ ۴ مارچ ۱۹۱۴ء کو بابو چھوٹے لال کے گھر پیدا ہوئے۔ آپ کا تعلق کائستھ گھرانے سے تھا۔ ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی ہائی اسکول اسلامیہ کالج (جو اس وقت ہائی اسکول تھا) سے کیا۔ ۱۹۳۷ء میں الٰہ آباد یونیورسٹی سے اعلیٰ قابلیت اردو کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۳۸ء میں آگرہ یونیورسٹی سے B.A کیا۔ ۱۹۳۹ء میں والد صاحب کے انتقال کی وجہ سے گھر کی تمام ذمہ داریاں آپ پر آ گئیں۔ اس لئے مزید تعلیم کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ کچھ عرصہ تک پرائیویٹ ملازمت کرتے رہے۔ ذوق تعلیم نے پھر اُبھارا اور آپ نے ۱۹۴۴ء میں بریلی کالج بریلی سے .L.L.B کی ڈگری حاصل کی۔ قانون کا امتحان پاس کرنے کے بعد بدایوں میں پریکٹس شروع کر دی اور تا عمر یہی ذریعہ معاش رہا ۲۵ مئی ۱۹۷۷ء کو انتقال ہوا۔ آپ کے ایک صاحبزادے وکیل ہیں۔

رہبر صاحب کو شاعری کا شوق طالب علمی کے زمانے ہی سے تھا۔ ابتدا میں آپ بسمل تخلص کرتے تھے اور حاجی جامیؔ[1] بدایونی (ف ۱۹۶۵ء) تلمیذ احسن مارہروی

---

[1] حاجی محمد عبدالجامع جامیؔ بدایونی ۱۴ مارچ ۱۸۹۸ء کو محلہ سوتھا بدایوں میں پیدا ہوئے آپ سلسلہ قادریہ میں بیعت تھے۔ جامیؔ صاحب کا شمار اساتذہ سخن میں ہوتا تھا آپ ۱۹۶۰ء میں ترکِ وطن کر کے پاکستان چلے گئے تھے۔ مولانا احسن مارہروی کے شاگرد رشید تھے آپ کے کلام کا بڑا حصہ نعت و منقبت پر مشتمل ہے آپ کے تلامذہ میں رونق بدایونی مشہور ہیں۔
شاداب۔

سے مشورہ سخن کرتے تھے۔ بعد میں جوشؔ ملسیانی (ف ۱۹۷۶ء) کے حلقہ تلامذہ میں شامل ہوگئے۔ جوشؔ صاحب نے آپ کا تخلص بیخودؔ سے رہبرؔ تبدیل کر دیا۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ جوشؔ صاحب کے دو استاد بھائی بیخودؔ دہلوی اور بیخودؔ بدایونی کا تخلص یہی تھا۔ رہبرؔ صاحب آخری عمر تک مشاعروں میں پابندی سے شریک ہوتے تھے۔ آپ کی غزلیں غمِ عشق و غمِ دوراں، گہرائی و دلکشی، صفائی و سادگی کی خوبیاں رکھتی ہیں۔

نمونہ کلام

گلشن میں بہاریں کیا آئیں پھر اپنا گزارا ہو نہ سکا
غنچے تو مروت کیا کرتے کانٹا بھی ہمارا ہو نہ سکا

نظروں میں اثر تھا جادو کا رگ رگ میں محبت دوڑ گئی
تکلیف کی راتیں ایسی آئیں آرام گوارا ہو نہ سکا

ناکامیِ قسمت ساتھ رہی محفل کی خوشی سے کیا مطلب
ہم جامِ محبت پی نہ سکے ساقی سے اشارہ ہو نہ سکا

دنیائے محبت میں رہبرؔ سب چاند ستارے روشن ہیں
کیا جانے درخشاں کیوں میری قسمت کا ستارا ہو نہ سکا

شور اُن کا پہنچا کیا پہنائے گلستاں تک
آوازِ فغاں جس کی محدود تھی زنداں تک

کام آئیں گے کانٹے ہی رکھو ان پر نظر ہر دم
پھولوں کی رواداری ہے فصلِ بہاراں تک

ساحل کی تمنا کو کیوں دل میں جگہ دیتے
کشتی کو پہنچنا تھا ہر حال میں طوفاں تک

اے اہلِ جنوں یہ بھی کیا کم ہے پذیرائی
کانٹوں کا بچھونا ہے گلشن سے بیاباں تک

اس دورِ سیاست میں اللہ رے مجبوری
انساں پہ بھاری ہے ہمدردیِ انساں تک

خوف و غمِ دنیا سے چھوٹ جاؤں گا اے رہبرؔ
پہنچیں گے قدم میرے جب منزلِ عرفاں تک

فریب کھا کے بھی آئی نہ آدمی کو سمجھ
کچھ ایسا رنگ جمایا عروسِ دنیا نے

مری نگاہ کو حاصل ہے ذوقِ نظارہ
یہ بات حسنِ تغافل نواز کیا جانے

ہمیں تو موجۂ طوفاں سے کھیلنا ہے فقط
رموزِ ساحل و گرداب ناخدا جانے

قبولِ خاطرِ احباب کیوں نہ ہو رہبرؔ
کہے ہیں شوق میں اشعار ہم نے من مانے

نگاہِ لطف بھی ان کی ستم آمیز ہوتی ہے
یہ جب تیور بدلتی ہے قیامت خیز ہوتی ہے

خوشی سے کون سنتا ہے وہاں اخلاص کے نغمے
جہاں تقریرِ اربابِ سیاست تیز ہوتی ہے

نہ چھیڑ اے بانیٔ جور و ستم اہلِ محبت کو
اسیرِ غم کی ہر فریاد حشر انگیز ہوتی ہے

الٹ دیتا ہے کوئی منچلا نظمِ جہاں بانی
مظالم کی چھری جب بیکسوں پر تیز ہوتی ہے

گلہ ہے تم کو جس فکرِ سخن کی سست گامی کا
وہی شاعر کے دل کا خون پی کر تیز ہوتی ہے

گل پہ جاتی ہے گلستاں پہ نظر جاتی ہے
میری ہر حسنِ نمایاں پہ نظر جاتی ہے

دیکھتا ہے جو کوئی میری بیاضِ ہستی
چند اوراقِ پریشاں پہ نظر جاتی ہے

تم نے بھر دی مری آنکھوں میں کچھ ایسی مستی
بہکی بہکی سی ہر انساں پہ نظر جاتی ہے

ڈھونڈتا ہوں جو میں تمثیلِ غزل اے رہبر
حضرتِ جوش کے دیواں پہ نظر جاتی ہے

ماخذ - ابھنندن گرنتھ (جوش ملسیانی) مطبوعہ ۱۹۵۷ء - نغمہ محبت (مرتبہ چھٹن قوال) مطبوعہ ۱۹۵ء

رام سروپ نام اور رہبر تخلص تھا۔ گنور کے رہنے والے تھے اور اہر برادری سے تعلق تھا۔ ڈاکٹر سیفی پریمی نے ایک خط میں آپ کا حلیہ اس طرح تحریر فرمایا تھا۔ "تندمند، چہرے پر معمولی سے چیچک کے نشان، باریک دھوتی پر دھاری دار قمیض، ہاتھ میں موٹا بید، خوش مزاج مگر انتظامی امور میں سخت، کسی کے رعب میں نہیں آتے تھے۔"

رہبر صاحب شعر ترنم سے پڑھتے تھے اور پسند کئے جاتے تھے۔

نمونۂ کلام

مغرب تو پشیماں تھا مشرق بھی تو حیراں ہے
یہ میرا گلستاں ہے یہ میرا گلستاں ہے

کیا اس سے غرض کوئی ہندو کہ مسلماں ہے
وہ اپنا ہے جو ان میں انسان سا انساں ہے

یہ دیش ہمارا ہے! اس دیش کا کیا کہنا
دل اس کا ہے متوالا جاں اسکی نگہباں ہے

زہب کے سوا کوئی اتنا بھی نہیں سمجھا
جو زلف مہکتی ہے وہ زلف پریشاں ہے

زآر

بانکے لال نام زآر تخلص تھا۔ صاحبِ خمخانۂ جاوید نے لکھا ہے کہ ۱۸۸۳ء میں چھاتہ میں مقیم تھے۔ ۱۸۹۸ء میں گورکھپور گئے۔ زآر شروع میں نیاز خیر آبادی سے اصلاح لیتے تھے۔ ۱۸۸۶ء میں امیر مینائی کے حلقۂ تلامذہ میں شامل ہو گئے تھے۔ زآر صاحبِ دیوان تھے۔

نمونہ کلام

وعدہ جو کچھ کیا بھی تو تیور بدل لئے
اقرار سے عیاں ترے انکار ہی رہا

عیسیٰ بھی سر ٹپک کر فلک پہ چلے گئے
بیمار تیرے عشق کا بیمار ہی رہا

بتادو تم ہمیں جو طرز بے وفائی کا
سکھادیں ہم تمہیں انداز دلربائی کا

جو دست ناز سے اس نے اٹھا لیا ساغر
تو جوڑ جوڑ جدا ہوگیا کلائی کا

زاہد تجھے قسم ہے ذرا چکھ کے دیکھ لے
کیسی کھنچی ہوئی ہے یہ مے خوشگوار ہے

کیا خاک آئے مجمع محشر نگاہ میں — دیکھے ہیں ہم نے رنگ تری جلوہ گاہ کے
کہتے ہیں آج موت سے میری جھڑک کے وہ — ہٹ، آ نہ پاس بسملِ تیغِ نگاہ کے
جھرمٹ میں نازاں ہیں وہ حسینوں کے اسطرح — گویا ستارے گرد چمکتے ہیں ماہ کے

حشر برپا ہے آج پہلو میں — طور بے طور ہیں مرے دل کے

کہاں اُتری ہے دستارِ فضیلت — کہو آئے شیخ آتے ہو کدھر سے
جو دیکھا اپنے بسمل کو تڑپتا — تو آنکھیں بند کر لیں اُس نے ڈر سے

ماخذ - خمخانہ جاوید - موج گنگ۔

منشی دیبی پرشاد سحر کے بزرگوں کا وطن بانگر مئو ضلع لکھنؤ تھا۔ آپ کے دادا منشی حکومت رائے نے بہ سلسلۂ ملازمت بدایوں میں آکر بود و باش اختیار کی وہ محکمہ مال میں ملازم تھے۔ اس طرح سحر کی پیدائش کا شرف ۲۴ دسمبر سنہ ۱۸۴۴ء بدایوں کو حاصل ہوا۔ آپ کے والد کا نام چنی لال تھا جو اخگر تخلص فرماتے تھے۔ لالا سری رام نے خمخانہ جاوید میں سحر کا خاکہ ان الفاظ میں تحریر کیا ہے۔

"کشیدہ قامت، سانولا رنگ، چیچک رو تھے، مزاج نفیس اور عطریات کے شوقین تھے۔"

سحر نے ۱۴ سال کی اوائل عمر میں بہ توجہ مولوی طاہر الدین فرشوری علوم مروجہ اور درسی کتب متداولہ سے فراغت کامل حاصل کی۔ نیز علوم عقلی و ریاضی، طبی اور

فنون و خوش نویسی و مصوری وغیرہ مختلف اساتذہ سے تحصیل کئے۔ تکمیل تعلیم کے بعد محکمۂ تعلیم میں ملازم ہو گئے اور بتدریج ترقی کر کے ڈپٹی انسپکٹر مدارس کے عہدے سے ۱۸۹۶ء میں پنشن پائی۔

سحر نے فن شاعری میں اپنے والد سے استفادہ کیا۔ آپ کا شمار بدایوں کے اساتذہ میں ہوتا تھا۔ ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد علمی زندگی اور درس و تدریس کا شغل جاری رکھا۔ بدایوں کے بہت سے لوگوں نے آپ کی ذات سے فیض حاصل کیا

سحر چودھری اصغر علی ضابط و مولوی غنی رضا وحشی کے ہمعصر تھے اور لالہ رام راحت اور منشی گیندن لال گوہر سے آپ کے بڑے قریبی تعلقات تھے۔ سحر نہایت زود گو شاعر تھے۔

سحر نظم کے علاوہ نثر بھی لکھتے تھے۔ آپ کا شمار اپنے دور کے ماہر عروض شعراء میں ہوتا تھا۔ عروض پر آپ کی ایک اہم کتاب معیار البلاغت ہے۔ مختلف موضوعات پر آپ کی مندرجہ ذیل ۳۳ کتابیں ملتی ہیں۔ ان میں کچھ کتابوں کے کئی کئی ایڈیشن شائع ہوئے۔

(۱) معیار البلاغت (۱۸۸۵ء پہلا ایڈیشن)۔ (۲) سحر سامری (مجموعۂ کلام ۱۸۶۸ء)
(۳) خلاصۃ المنطق (۱۸۷۲ء)۔ (۴) اثر رنگ چین (۱۸۷۴ء میں لکھی گئی)۔ (۵) تعلیم الاطفال
(۱۸۷۵ء)۔ (۶) معیار الاملاء (۱۸۷۶ء)۔ (۷) مراۃ العلوم (۱۸۷۷ء)۔ (۸) تلخیص الحساب
(۱۸۷۸ء)۔ (۹) خلاصہ جغرافیہ (۱۸۷۹ء)۔ (۱۰) واسوخت افسون سحر (۱۸۸۳ء)۔ (۱۱)
غوامض الحساب (۱۸۸۶ء)۔ (۱۲) مراۃ الصفار (۱۸۸۶ء)۔ (۱۳) رسالہ قیافہ (تیسرا ایڈیشن
۱۸۸۷ء)۔ (۱۴) محیط المساحت (۱۸۸۸ء)۔ (۱۵) نظم پروین (۱۸۶۵ء میں لکھی گئی)
(۱۶) بروج السنین (۱۸۹۰ء)۔ (۱۷) تعادل ہندسی (۱۸۹۴ء)۔ (۱۸) دلائل المشائین۔
(۱۸۹۴ء)۔ (۱۹) دیوار قہقہہ (۱۸۹۵ء)۔ (۲۰) تہ جرعۂ سحر (مجموعہ کلام سحر چہارم ۱۹۰۰ء)
(۲۱) ذخائر جبر و مقابلہ (۱۹۰۰ء)۔ (۲۲) طلسمات سحر (مجموعۂ کلام دوئم)۔ (۲۳) سفینۂ سحر (مجموعہ
کلام سوئم)۔ (۲۴) حل رسالہ معمائے جامی منظوم۔ (۲۵) بڑھاپا نامہ۔ (۲۶) موجز التاریخ

(۲۷) لغات سنہ (۱۸۹۹ء) - (۲۸) خمسہ متحیرہ (واسوخت) - (۲۹) جغرافیہ ضلع بدایوں
(۳۰) لطائف ہندی (۱۸۷۳ء) - (۳۱) سراج المنیر (۱۸۸۲ء) - (۳۲) واسوخت سحر
(۳۳) قصائد سحر (۱۸۸۸ء)

بقول لالہ سری رام آپ کے کلام و معارف نظام میں تصوف اور حقائق کے نکات موجود ہیں۔ صنائع بدائع کے برتنے میں روزمرّہ اور سادگی بیساختہ پن کو زیرِ نگاہ رکھتے ہیں۔ عاشقانہ شعر خوب کہتے ہیں جو واسوخت عالمِ جوانی کے کہے ہوئے ہیں اُن میں دلی واردات کو نہایت خوبی سے بیان کیا ہے۔

منشی انوار حسین تسلیم سہسوانی نے سحر کے کلام پر یہ رائے دی ہے

"آپ (سحر) محاورہ دالِ اُردو و ہمزبان حضرات لکھنؤ ہیں۔ جو مضمون ہے عالی ہے، کلام حشو و زوائد سے خالی ہے۔ بندش کی چستی، الفاظ کی درستی دلوں کو بھاتی ہے"

سحر کے تلامذہ کی تعداد کثیر ہے۔ ان میں منشی چھوٹے لال غم، منشی کرپا شنکر خوش، گھسو خاں فریاد، منگل سین فارغ اہم ہیں۔ سحر نے ۱۹۰۲ء[1] میں وفات پائی۔

نمونہ کلام

بت کو یہ پوجے گا وہ کلمہ پڑھے گا حسن کا
نذرِ الفت دینِ شیخ و برہمن ہو جائے گا

زیرِ گیسو جو دُرِ گوش تمہارا چمکا
مجھ کو ثابت ہوا بدلی میں ستارا چمکا

مجھ کو سحر چھوڑنے سے منع نہ کر اے ناصح
تجھکو کیا اپنی ہی دیوار ہے سر اپنا ہے

---

[1] عطاء اللہ پالوی نے اپنی کتاب "اُردو کے ہندو مثنوی نگار" میں سحر کی تاریخ وفات ۱۵ اردسمبر ۱۹۰۵ء لکھی ہے۔ جو درست نہیں۔

شامِ فرقت پر گماں روزِ قیامت کا ہوا — صور کا شورِ اذاں پر مجھ کو دھوکا ہو گیا

کوئی معشوق و وفادار نہ اصلا پایا — وہ بُرا نکلا بخدا ہر جسے اچھا پایا

ہم کہیں کس سے حالِ زار اپنا — نہ کوئی دوست ہے نہ یار اپنا

دیر میں وہ ہے نہ ہے کعبہ میں اور ہے سب کہیں — طالبِ نظارہ کو گر ہے سلیقہ دید کا

نالہ جو کوئی میرے دہن سے نکل گیا — مانندِ تیر چرخ کہن سے نکل گیا
عریانی اپنی یاد جو آئی پسِ فنا — لاشہ تڑپ کے سحر کفن سے نکل گیا
نہ یہ خوشبو، نہ سیاہی، نہ درازی اس میں — تیرے گیسو کے مشابہ نہیں زنجیر کے پیچ

شبِ تاریک میں چشمِ فلک سے گر گئے تارے — کبھی چہرہ کی جو افشاں یار نے زلفِ پریشاں پر

ہجر میں حبسِ دم کبھی ہوتا ہے گلشن میں گزر — رشک آتا ہے گل و بلبل کو باہم دیکھ کر
جل نہ جائیں ہاتھ تیرے چھل نہ جائیں انگلیاں — زخم پر اے چارہ گر رکھنا تو مرہم دیکھ کر

ہجر میں کس کو پسند آتا ہے جام و مینا — جی میں آتا ہے آگ لگا دوں ابھی میخانے میں

ہزاروں گماں دل میں ہوتے ہیں پیدا — ترے ہاتھ میں جب قلم دیکھتے ہیں
نظر آتے ہو سحر عاشق کسی پر — تمہیں ہر گھڑی چشم نم دیکھتے ہیں

کبھی زباں سے نہ شکوہ نہ آہ کرتے ہیں — وہ ظلم کرتے ہیں اور ہم نباہ کرتے ہیں
خدا نے حسنِ بتاں دیکھنے کو آنکھیں دیں — جو تم کو دیکھتے ہیں کیا گناہ کرتے ہیں

چرخ کے جور سے کب دل مرا ناشاد نہیں — کس گھڑی لب پہ مرے نالہ و فریاد نہیں

لئے جاتے ہیں چھپا کے مرے نقدِ دل کو وہ — بازی گروں کی طرح سے خالی دکھا کے ہاتھ

دردِ سر سے نہیں، کم گھس کے لگانا صندل — درد کا نام اطبا نے دوا رکھا ہے

تاڑ کر قصد مرا ہاتھ چھڑا کر بھاگے — کہہ کے اس طرح جھجک کر کہ وہ آیا کوئی

کوئی زاہد بن گیا ہے کوئی واحد بن گیا — کیسے کیسے سوانگ ہیں روٹی کمانے کیلئے

قطعہ

میں نے کہا کہ خانۂ دل میں کرو گزر — حاضر ہیں بندگی کیلئے اپنی جان سے ہم
بولے لگے نہ چوری کہیں صبر و ہوش کی — ڈرتے ہیں آتے جاتے پرائے مکاں سے ہم

رباعی

معشوق سے ہم نے دل لگانا چھوڑا — کوچہ میں پری رخوں کے جانا چھوڑا
جبتک نہ تھے اسکے نیک و بد سے واقف — کرتے تھے عشق جبکہ جانا چھوڑا

قطعہ تاریخ غالب کی وفات پر

مر گیا غالب جو لاثانی تھا شاعر ہند میں — لے گیا دنیائے دوں سے حسرتیں کیا کیا دریغ
فکر میں اے سحر میں بیٹھا ہوا تھا ناگہاں — یہ ندا آئی فلک سے وائے وا ویلا دریغ

۱۲۸۵ھ

مثنوی اعجازِ عشق کی طباعت پر

دل وجاں سے ہیں لوگ اس پہ فدا — مثنوی یا کوئی پری ہے یہ
ہاتفِ غیب نے کہا اے سحر — واہ کیا خوب مثنوی ہے یہ

۱۲۸۷ھ

ماخذ۔ خمخانۂ جاوید۔ موج گنگ۔

شاکر

نرائن داس نام شاکر تخلص تھا۔ آپ کائستھ تھے۔ شاکر کا ایک دیوان بھی شائع ہوا تھا۔ مگر نایاب ہے۔ معیار البلاغت میں تاریخ کا ایک شعر ملتا ہے

کانکا پرشاد جب اُٹھ بیٹھے از تختِ خرام — بیٹھے مکھن لال تب اُن کی جگہ قائم مقام

۵۷۹ — ۱۶۸۱ — ۱۷۶

۱۲۷۸ھ = ۱۷۶ + (۵۷۹ - ۱۶۸۱)

ماخذ۔ معیار البلاغت از دیبی پرشاد سحر۔ تجلیاتِ سخن

شاہد

برج بہادر سکسینہ شاہد کے آباؤ اجداد کا وطن جہان آباد ضلع پیلی بھیت تھا۔ آپ کے دادا شمبھو پرشاد ترکِ وطن کرکے بسولی آ گئے تھے۔ شمبھو پرشاد —

ہندوستان کے مشہور پکھراجی تھے۔ شاہد صاحب کی پیدائش ۷ جنوری ۱۹۳۲ء کو موضع بھان پور تحصیل بسولی ضلع بدایوں میں بابو کنج بہاری لال سکسینہ کے یہاں ہوئی آپ کے والد رائے برج بھوشن سکسینہ رئیس بھان پور کے کارندے اور خاص مصاحب تھے شاہد صاحب نے ابتدائی تعلیم بلسی میں حاصل کی۔ مدن لال انٹر کالج بسولی سے ہائی اسکول کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۴۹ء میں ڈسٹرکٹ بورڈ بدایوں میں ملازم ہوئے اور اب ۱۹۵۰ء سے کلکٹریٹ بدایوں میں ہیں۔ ۱۸ فروری ۱۹۵۲ء کو شادی ہوئی۔

شاہد صاحب کی پرورش بڑے لاڈ پیار سے ہوئی۔ آپ موسیقی اِن ڈور اور آؤٹ ڈور گیمس میں شروع سے ہی دلچسپی رکھتے ہیں۔ اوائل عمر سے ہی شعر و شاعری سے لگاؤ ہے شاہد صاحب کو مخمور بلسوی اور اُن کے صاحبزادے جسونت رائے رعنا (ف ۱۹۸۳ء) کا قرب حاصل رہا۔ جو آپ کے ذوق کو پروان چڑھانے میں معاون ہوا۔

شاہد صاحب کو رادھا رمن جوشؔ بدایونی سے شرف تلمذ حاصل ہے۔ آپ کی پہلی تخلیق ۱۹۶۳ء میں روہیلکھنڈ اخبار بریلی میں شائع ہوئی۔ آپ کے پسندیدہ شاعروں میں جگرؔ مرادآبادی، جوشؔ ملیح آبادی، فراقؔ گورکھپوری ہیں۔

شاہد صاحب ایک کامیاب افسانہ نگار بھی ہے۔ آپ کے افسانوں کا مجموعہ "درد کے رشتے" فخرالدین میموریل کمیٹی حکومت اتر پردیش کے مالی اشتراک سے ۱۹۸۵ء میں شائع ہو چکا ہے۔ اس میدان میں وہ پریم چند، شوکت تھانوی اور خواجہ احمد عباس سے متاثر ہیں۔ آپ کے کئی افسانے ریڈیو سے بھی نشر ہو چکے ہیں۔ آپ کے افسانوں کی زبان سلیس ہے۔ نمونے ملاحظہ فرمائیں۔

محبت دلوں میں ہوتی ہے جسموں میں نہیں۔ محبت کا رشتہ روحوں کا رشتہ ہے، ہڈی اور گوشت کا نہیں۔ ایک دوسرے کے احساسات کو سمجھنے کا نام محبت ہے۔ انسان پسند تو بہت سے انسانوں کو کرتا ہے اعزت بھی بہت سے لوگوں کی کرتا ہے لیکن سب چیزیں محبت کی حدود سے باہر ہیں۔ وہ محبت تو صرف ایک سے ہوتی ہے، ایک بار

ہوتی ہے۔ جس طرح بھگوان ایک ہے اور وہ بدلا نہیں جا سکتا"

(افسانہ مہندی کی باڑھ)

شاہد صاحب کی پسندیدہ صنفِ سخن غزل ہے ویسے آپ نے نظم، قصیدہ اور قطعہ وغیرہ بھی کہے ہیں۔

نمونہ کلام

آج کوئی نیا گل کھلا دیجئے　　میری خاطر ذرا مسکرا دیجئے

جرم ہے عشق لیکن حسیں جرم ہے　　خوبصورت سی کوئی سزا دیجئے

آپ کا نام رسوا نہ ہونے دیا　　میری دیوانگی کو دعا دیجئے

زندگی سے ہے مایوس بیمارِ غم　　ایک مجبور کو حوصلہ دیجئے

ہے مری زندگی میں اندھیرا بہت　　اپنے چہرے سے زلفیں ہٹا دیجئے

شعلۂ عشق خود ہی بھڑک جائے گا　　غم کی چنگاریوں کو ہوا دیجئے

جن سے اُٹھنے لگے نفرتوں کا دھواں　　اُن چراغوں کو شاہد بجھا دیجئے

نئے چراغ جلاؤ نئے زمانے میں　　یہ مستعار اُجالوں کی روشنی کب تک

کبھی تو آپ ہمارے قریب آئیں گے　　رہے گی نیند کو آنکھوں سے دشمنی کب تک

شعلۂ عشق کوئی کیسے بجھا پائے گا　　ابرِ باراں ہی اگر آگ لگا جائے گا

سارے دریاؤں کے پانی سے تسلی نہ ہوئی　　تشنگی کون سمندر کی بجھا پائے گا

کیجئے زلف پریشاں نہ حسیں چہرے پر　　کوئی دیوانہ سرِ راہ بھٹک جائے گا

آپ کے تابع ارشاد ہیں حالاتِ جہاں　　آپ بدلیں گے تو موسم بھی بدل جائے گا

مجھ کو سمجھانے کی زحمت نہ اُٹھائیں آپ　　کوئی دیوانہ ہی دیوانے کو سمجھائے گا

کیسے کہتے ہیں یہ شیشے کے مکانوں والے　　ان کی جانب کوئی پتھر کبھی آئے گا

رخ بدل گیا اُن کا اس پہ ہم خفا کیوں ہوں
موڑ آ گئے ہونگے زندگی کی راہوں میں

ایک قطرۂ شبنم ایک شعلۂ آتش!
پھر بھی ایک نسبت ہے اشک اور آہوں میں

قافلہ محبت کا اب ٹھہر نہیں سکتا
منزلیں نہیں ہوتیں عاشقی کی راہوں میں

میں تو آستاں اُن کا چوم کر چلا آیا
لوگ سر بسجدہ ہیں اب بھی خانقاہوں میں

سوئے منزلِ جاناں جب قدم اُٹھا شاہد
درد و غم زمانے کے منتظر تھے راہوں میں

عشق میں سوزشِ پیہم کو دعا دیتا ہوں
میں تری زلف کے ہر خم کو دعا دیتا ہوں

میرے اشکوں پہ کبھی اُن کو ہنسی آئی تھی
آج تک دیدۂ پرنم کو دعا دیتا ہوں

ایک بھی تار سلامت نہیں دامن میں مرے
آپ کے کاکلِ برہم کو دعا دیتا ہوں

اپنی دنیا بڑی دلکش نظر آتی ہے مجھے
آپ کے حسنِ مجسم کو دعا دیتا ہوں

اُن حسیں آنکھوں میں شبنم کی ہنسی اے شاہد
میں بدلتے ہوئے موسم کو دعا دیتا ہوں

ماخذ۔ "درد کے رشتے"

شرما

مناسب قد و قامت، گورا رنگ دھوتی کرتا لباس، سر پر کھدر کی ٹوپی زندہ دل اور خوش اخلاق۔ آپ تھے گنور کے مشہور شاعر پنڈت ناتھو رام شرما شرما جی تحصیل میں عرائض نویس تھے۔ سنسکرت کی اچھی واقفیت تھی۔ محلہ سرائے میں رہتے تھے۔ مشاعروں میں بڑے شوق سے شرکت کرتے تھے۔ نوجوان آپ کے کلام سے بہت لطف اُٹھاتے تھے۔

یہاں تو باوفا کوئی نہیں ہے
ترا کوئی مرا کوئی نہیں ہے
ہمارے پاس آ کوئی نہیں ہے
یہاں تیرے سوا کوئی نہیں ہے
میں کل تھا آج ہوں کل بھی رہوں گا
جنم میں دوسرا کوئی نہیں ہے
نظر رکھتے ہیں ہم اک سندری پر
یہ شکتی ہے خطا کوئی نہیں ہے
ہمارا دل ہے کوہِ طورِ شرماؔ
نہ ہو گھر میں دیا کوئی نہیں ہے

مایا کے کرشمے سے چمکدار ہے دنیا
منہ پھیرلے دنیا سے تو دنیا بھی نہیں ہے
شرماؔ رہِ تسلیم و حقیقت میں قدم رکھ
بھکتی کے سوا اور کوئی مارگ نہیں ہے

ماخذ:۔ مکتوب ڈاکٹر سیفی پریمی

شرر

بشمبر ناتھ نام شرؔر تخلص تھا۔ آپ کے والد وجے بہادر وکیل تھے۔ شررؔ کی ابتدائی تعلیم زمانے کے رواج کے مطابق گھر پر ہوئی۔ چندوسی کالج چندوسی سے انٹرمیڈیٹ کا امتحان پاس کیا اور کانپور سے بی۔ اے اور ایل۔ ایل۔ بی کی ڈگری لی وکالت کو ہی ذریعہ معاش بنایا۔ آپ کی شادی شاہجہان پور سے ہوئی۔ اولاد میں دو لڑکی اور دو لڑکے ہیں۔ بڑے صاحبزادے رویندر ناتھ ڈگری کالج بدایوں میں اسسٹینٹ لائبریرین ہیں اور دوسرے سدھیندر ناتھ بدایوں میں ہی وکالت کرتے ہیں۔ شررؔ کا انتقال ۱۳ مارچ ۱۹۷۴ء کو بدایوں میں ہی ہوا۔

شررؔ کو ابتدا سے ہی اردو ادب سے لگاؤ تھا۔ اردو کی نایاب کتابوں کا ذخیرہ آج بھی آپ کے یہاں محفوظ ہے۔ راقم الحروف نے شررؔ کے کتب خانے میں کئی علمی نسخے بھی دیکھے ہیں آپ کے اردو شعراء کے کلام کو ہندی رسم الخط میں لکھنے

کا شوق تھا۔ کئی شعراء کے پورے پورے مجموعوں کو ہندی میں لکھ کر محفوظ کیا ہے
آپ مشاعروں میں شریک ہوتے تھے لیکن پڑھتے نہیں تھے۔ بعض لوگوں کا خیال
ہے کہ آپ شعر نہیں کہتے تھے۔ لیکن یہ بات کچھ سمجھ میں نہیں آتی۔ کافی تلاش کے باوجود
آپ کا ایک شعر بھی نہ مل سکا۔ خستہ کا ذکر چندوسی کالج کی رجت جینتی پتریکا (یکم مارچ
۱۹۵۲ء) میں ہے۔

جناب سدھیندر ناتھ ایڈووکیٹ کے شکریہ کے ساتھ۔

شریر

پنڈت دین دیال نام اور شریر تخلص تھا۔ آپ پنڈت رام جی مل نکت
کے بھائی تھے۔ شاعری میں گیندن لال گوہر (ف ۱۹۰۱ء) کے شاگرد تھے۔ اس
سے زیادہ حالات دستیاب نہ ہو سکے۔

نمونہ کلام

"واسوخت نکت" پر قطعہ تاریخ

بھائی نے مرے جو ہیں اہلِ کمال
جو یہ واسوخت لکھا بے مثال
کھلتا ہے ہر بند کے واسوخت سے
عشق مجازی و عشق حقیقی کا حال
طبع کا اس نسخے کے بس اے شریر
گلشن رعنائے تعشق ہے سال

۱۳۰۰ھ

"سائیں کے سو خیالات" پر قطعہ تاریخ

واہ کیا نسخہ لکھا اُستاد نے
جو کہ ہے سرمایۂ ناز و نیاز
آشکارا اس سے ہو جاتے ہیں صاف
در حقیقت عشق کے جتنے ہیں راز
اس سے عمدہ کیا لکھے گا کوئی غیر
اس قدر اصل ہے کس کو امتیاز

اے شریر اس نسخے کی تاریخ تحریر ہے خیالِ گوہر دشمن گداز !!!

١٢٩٨ھ

واسوخت نمک، اوّل پر قطعہ تاریخ

ہیں مرے مکرم اخی رام جی مل بیاں علم کا جن کے ہر چار سو ہے
بہار اُن کے واسوخت میں ہے عجب کچھ گلستاں میں ایسی کہاں رنگ و بو ہے
شریر اس کی تاریخ سوچی جو میں نے تو دل نے کہا کیوں تفکر میں تو ہے
کہ تاریخ مطبوعہ ہونے کی اس کے سرِ جام سے غنچۂ آرزو ہے

٣ + ١٢٨٧ = ١٢٩٠ھ

شعلہ

نرائن داس نام شعلہ تخلص تھا۔ آپ محلہ چوبے بدایوں میں رہتے تھے۔ لالا سری رام نے خمخانۂ جاوید میں تحریر کیا ہے کہ "نہایت ہوشیار، لائق اور آتش زبان بزرگ تھے۔ شعر بھی خوب کہتے تھے"۔ شعلہ نے کافی کتابیں ہندی، اردو میں لکھی تھی۔ چند ہندی کتابوں کے نام اس طرح ہیں۔ شکتی لیلا (शक्ति लीला) بنواس لیلا، سلوچنا، سوانگ بھرتری، سوانگ دروپدی، سوانگ فسانۂ عجائب

شعلہ کا انتقال ١٩٠٩ء میں ہوا۔

نمونہ کلام

دو قالب ایک جاں کہتے ہیں جسکو وہ ہمیں تو ہیں ہمارا حال اُن سے اُنکا ہم سے پھر نہاں کیوں ہو
نہ ہونگا جب تلک زندہ نہ مانگوں گا کبھی بوسہ دہن اس کے نہیں ہے اسکے عاشق کے زباں کیوں ہو
ہماری آہ و گریہ سے یہ ہے قائم جہاں ورنہ زمیں پانی پہ کیوں ہوا اور زمیں پہ آسماں کیوں ہو

تقریظ برکتاب "سائیں کے سو خیالات"

واہ کیا دلفریب نسخہ ہے
پڑھنے والوں کا جی لبھاتا ہے

کیسے کیسے خیال نادر ہیں
کیسا کیسا کلام عمدہ ہے

ایک مضمون پر نہیں موقوف
جو ہے مضمون وہ انوکھا ہے

مہ جبینوں کا ہے خیال ہیں ذکر
وصف خورشید پیکروں کا ہے

درج ہیں شاعری صنائع بھی
جو لکھا ہے وہ خوب لکھا ہے

ہیں مضامیں درست بندش چست
الغرض سب طرح سے عمدہ ہے

چھوٹی رنگت میں ہیں بڑے مضموں
گویا کوزے میں بند دریا ہے

ماخذ - (۱) خمخانہ جاوید - (۲) अशन - (۳) تجلیات سخن - (۴) سائیں کے سو خیالات

شمیم

اوما شنکر نام شمیم تخلص تھا۔ والد کا نام منشی کشن لال تھا۔ آپ گنگا دیال طالب کے بھائی تھے۔ شمیم نے ہائی اسکول تک تعلیم حاصل کی تھی۔ شروع میں محکمہ کورٹ آف وارڈ میں ضلعدار تھے۔ یہ محکمہ ختم ہو جانے کے بعد کچھ عرصہ تک ٹیوشن کرتے رہے بعد میں تحصیل میں کلکشن امین ہو گئے تھے۔ آپ کے دو لڑکے راجبنہ سروپ سکسینہ (ف ۲۵ اپریل ۱۹۷۴ء) P.W.D میں اورسیر تھے۔ دوسرے مہندر سروپ سکسینہ Natural oil Gas میں ملازم تھے۔ اُنھوں نے ۲۲ جنوری ۱۹۸۳ء کو خودکشی کر لی۔ شمیم کا انتقال ۱۹۶۲ء میں ہوا۔ آپ جوش بدایونی کے بہنوئی تھے۔

شعر و شاعری سے لگاؤ بچپن سے تھا۔ لکشمی نرائن جوہر سے شرفِ تلمذ حاصل تھا۔ شمیم استاد کے سچے عاشق تھے۔ ادبی چپقلشوں میں اُستاد کی طرف سے ہر وقت سینہ سپر رہتے تھے۔ آپ مشاعروں میں کثرت سے شریک

ہوتے تھے۔ کلام تلاش کے باوجود نہ مل سکا۔ صرف ایک شعر جوشؔ صاحب نے سنایا وہ پیش ہے۔

میّت پہ میری آکے سنو داستانِ دل
یہ بے زبانیاں ہیں سراپا زبانِ دل

شمیمؔ نے اپنے استاد لکشمی نرائن جوہر کا مجموعۂ کلام "آئینۂ جوہر" مرتب کرکے شائع کیا تھا۔

شیام

شیام منوہر شرما شیامؔ ۱۵ فروری ۱۹۳۴ء کو پنڈت چرونجی لال کے یہاں پیدا ہوئے۔ ہائی اسکول تک تعلیم حاصل کی۔ پیامؔ لکرالوی مرحوم کے شاگرد تھے۔ الیکشن آفس میں ملازم ہیں۔

نمونۂ کلام

نعت

ماہِ نو کیا ہے ترے زلف کی دلکش محراب — بوند ہے تیرے پسینے کی ستارا کیا ہے
آپ کے عارض و گیسو کی جھلک تھی جس میں — اس زمانے کے شب و روز کا کہنا کیا ہے
اپنی محفل کے لئے اُن سے اُجالا مانگو — شیامؔ اس دور کی شمعوں کا بھروسا کیا ہے

لے کے آتی ہے صبا تیرے بدن کی خوشبو — لالہ و گل ترا پیغام دیا کرتے ہیں

صبا

باسدیو سہائے نام صباؔ تخلص تھا۔ نیب کا چکلہ بدایوں میں پیدا ہوئے

آپ کے والد منشی الفت رائے کوتوال شہر تھے اور آپ کے چچا بھی اچھے عہدے پر تھے۔ صبر نے ہائی اسکول تک تعلیم حاصل کی تھی۔ کچہری میں کلرک تھے۔ صبر صاحب کے مشاغل میں مذہبی ڈرامے کھیلنا اور لکھنا بھی تھا۔ آپ کی اولاد میں ایک لڑکی اور ایک صاحبزادے ہیں۔ آپ کے صاحبزادے کرشنا نند پوسٹ آفس میں ملازم تھے

صبر صاحب کی ایک کتاب "اشوک واٹکا" چھپی تھی۔ افسوس ان کے لڑکے کے پاس اس کا کوئی نسخہ نہیں ہے۔ گردھاری لال بیتاب بدایونی آپ کے ہی شاگرد تھے۔ صبر کا سن وفات ۱۹۲۳ء[1] ہے۔

نمونۂ کلام

اشارہ جب کبھی پاتی ہے عرضِ حال کرتی ہے ــــــ غضب ہے آپ کے ایما پہ چلتی ہے زباں میری

صہبائی

سیوتی پرشاد صہبائی کا جنم ۱۹ر اپریل ۱۹۱۱ء کو آنولہ ضلع بریلی میں ہوا آپ کے والد منشی رنجن لال نواب آنولہ محبوب علی خاں کے خاص کارندے تھے صہبائی اپنے والدین کی اکیلی نرینہ اولاد تھے۔ آپ کے علاوہ ایک لڑکی اور تھی اکیلے ہونے کی وجہ سے آپ کی پرورش بڑے لاڈ پیار سے ہوئی۔ آپ اس لاڈ پیار کی وجہ سے ابتدا سے ہی ضدی ہو گئے تھے۔ ابتدائی تعلیم گھر کے رواج کے مطابق اردو میں ہوئی۔ شروع سے ذہین ہونے کے سبب آپ ہر درجہ میں اوّل پاس ہوتے تھے۔ گھر کے مذہبی ماحول کی چھاپ صہبائی پر ...

---

[1] "تجلیات سخن" میں قمر بدایونی نے دھوکے سے ۱۹۲۲ء تحریر کر دیا ہے۔ ۱۹۲۳ء کی تصدیق آپ کے صاحبزادے کرشنا نند نے کی ہے

پڑی تھی۔ کم عمر میں والد کا سایہ سر سے اُٹھ جانے کی وجہ سے گھر کی تمام ذمہ داریاں آپ کے اوپر آ گئیں۔ اس سانحہ نے آپ کی تعلیم کا سلسلہ ختم کر دیا۔ ۱۹۳۴ء میں کلکٹریٹ بدایوں میں کلرک ہو گئے۔ ۳۵ سال تک فرائض منصبی ادا کرنے کے بعد اگست ۱۹۶۹ء میں رٹائر ہوئے۔ صہبائی کی دو شادیاں ہوئیں۔ پہلی بیوی کے انتقال کے بعد دوسری شادی کی۔ غالباً پہلی بیوی سے کوئی اولاد نہیں تھی دوسری بیوی سے چار لڑکے اور چار لڑکیاں ہیں۔ آپ کے ایک صاحبزادے ڈاکٹر سریش بابو سکسینہ بریلی کالج بریلی میں پروفیسر ہیں۔

صہبائی کے بزرگ اردو و فارسی میں اچھی دست گاہ رکھنے کے ساتھ ساتھ شعر و شاعری کا بھی شوق رکھتے تھے۔ اس گھریلو ادبی فضا نے صہبائی کو متاثر کیا۔ اور آپ اوائل عمر سے شعر کہنے لگے۔ ۱۹۳۱ء میں بریلی کالج میں داخلہ کے دوران آپ انجمن ترقی اردو کے سکریٹری رہے۔ آپ ابتدا میں صہبا تخلص فرماتے تھے۔ بعد میں اسے بدل کر صہبائی اختیار کر لیا تھا۔ اس کا اظہار انھوں نے اپنے ایک شعر میں بھی کیا ہے۔

ہمیں احباب صہبائی کہیں گے آج سے صہبا
ہم اس اعزاز میں کچھ مدحتِ پیرِ مغاں لیں

صہبائی نے ابتدا میں جناب رام بہادر لال جویا آنولوی (ف ۱۹۴۸ء) سے اصلاح لی۔ ان کے انتقال کے بعد شیام موہن لال جگر بریلوی (ف ۱۹۷۶ء) سے مشورۂ سخن کیا۔

صہبائی بدایوں کے مشاعروں میں شریک ہوتے تھے۔ ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد سے زیادہ وقت شعر و شاعری میں گزارتے تھے۔

بقول ثاقب بریلوی، "مشکل پسندی صہبائی کا خاص انداز ہے۔"
صہبائی کے انتقال کے بعد ڈاکٹر سریش بابو سکسینہ نے آپ کے کلام کا ایک مختصر مجموعہ "کلام صہبائی" کے نام سے ۱۹۸۰ء میں شائع کرایا۔ اس

مختصر سے مجموعۂ کلام پر جناب کشن لال ثاقب بریلوی کا تعارف (صہبائیؔ میری نظر میں) ہے یہ مجموعہ اردو رسم الخط میں شائع نہ ہو کر ہندی میں شائع ہوا تھا۔ اس کے علاوہ ایک کتابچہ صہبائیؔ کے آزمودہ نسخوں کا بھی ڈاکٹر صاحب نے شائع کرایا تھا۔

صہبائی مرحوم کا انتقال ۲۹ ستمبر ۱۹۴۹ء کو ہوا۔

ماخذ: مجموعہ کلام ۔ کلام صہبائی

نمونۂ کلام

ابھی تو بزمِ جویانِ سخن میں کھنچ کے آیا ہوں
کہاں لے جائے آگے دیکھئے ذوقِ ادب میرا

سبزۂ خار دیکھ کر ابرِ بہار دیکھ کر
مست ہوئے ہیں اور مست جلوۂ یار دیکھ کر

مری غیرت کو صہبا یہ گوارا ہو نہیں سکتا
اُجاڑے کوئی میرے سامنے میرے گلستاں کو

ہمارے سامنے اظہارِ تقویٰ اے سبحان اللہ
ہمیں معلوم ہے صہبائیؔ جیسے پارسا تم ہو

امنگوں کا تلاطم دم بدم کم ہوتا جاتا ہے
جوانی دیتی جاتی ہے جواب آہستہ آہستہ

دل تو سلگ رہا ہے یوں پر فغاں نہیں
ایسی لگی ہے آگ کہ اُٹھتا دھواں نہیں

چھپائے پھر رہا ہوں دل میں صہبا
کسی کی اِک نگاہِ شرمگیں کو

وہ نہ آئیں گے اگر تو کیوں نہیں آئے گی موت
وہ جو روٹھے ہیں تو کیا یہ بھی خفا ہو جائیگی

لہو رونا ہے جی بھر کے ہمیں کچھ اب کے پھاگن میں
ہمارے خوں سے کوئی چاہتا ہے کھیلنا ہولی
تمہارے وحشیوں کو واسطہ کیا رنگ و روغن سے
تمہارے دل جلوں کو کیا دیوالی اور کیا ہولی

لبِ خشک، دستِ دُعا، دیدۂ تر
یہ سب کہہ رہے ہیں کہانی کسی کی

تیرہ بختی ہی مداوائے جنوں ہے میری
جس جگہ پاؤں میں رکھوں وہ بیاباں ہو جائے

موت آتی ہے کہ وہ آتے ہیں صہبا دیکھئے
آج بیمارِ محبّت گوش برآواز ہے

اکیلی برق تو کیا پھونکتی میرے نشیمن کو
تری سازش بھی کچھ اے باغباں معلوم ہوتی ہے

ہے یہ صہبا فیضِ استادِ غزل
سامعیں خوش ہیں مرے اشعار سے

مدد اے ضبطِ گریاں آبرو رہ جائے الفت کی
سبھی اشکِ لہو دامن سے باہر آئے جاتے ہیں

کیا بتائیں بت ہمیں اب کیسے کیا دینے لگے
ناخدائے دل نشاناتِ خدا دینے لگے

نذرِ میّت ہو رہے ہیں آج موتی آنکھ کے
لے شہیدِ ناز وہ بھی خوں بہا دینے لگے

جفا کیوں چھوڑ دیں مشقِ ستم سے باز کیوں آئیں
انہیں کبھی پھر نہیں ملنے کے شاید بے زباں ہم سے

اسے کہتے ہیں خونِ آرزو پامالیٔ حسرت — چھڑایا جا رہا ہے فصلِ گل میں آشیاں ہم سے

ہجومِ یاس نے تو دل کی فطرت ہی بدل ڈالی — کبھی اُنکی طلب تھی اب اجل کو یاد کرتے ہیں

کیا جانے کیا اثر ہو اسیرانِ شوق پر — پھرتا ہے باغباں جو مرے پر لئے ہوئے

عشق کچھ ہو ہم نے دیکھی تھی کوئی پیاری نگہ — پھر تصور میں اسی کو عمر بھر دیکھا کئے

نگاہ بدلی تو ہم بدلی ہوئی تقدیر دیکھیں گے — اگر تو خواب دیکھیگا تو ہم تعبیر دیکھیں گے
دلِ حیراں ابھی تو آنکھ کھولی ہے محبت میں — ابھی تو خواب دیکھا ہے ابھی تعبیر دیکھیں گے
اُنہیں کیا ہے عیادت کو وہ کیوں آنے لگے صہبا — وہ کب بیمار کی بگڑی ہوئی تصویر دیکھینگے

ہاں کوئی اپنے تصور کو ذرا سمجھا لے — چھیڑ ہر وقت کی اچھی نہیں دیوانے سے

طالب

گنگا دیال نام طالبؔ تخلص تھا۔ آپ کے والد کا نام منشی کشن لال تھا آپ اردو مڈل پاس تھے اور تحصیل میں پٹواری تھے۔ رادھا رمن جوشؔ[1] بدایونی سے شرفِ تلمذ حاصل تھا۔ غالبؔ کی زمین میں دو شعر جو اجھیانی کے مشاعرے[2]

---

[1] جوش صاحب کے حالات صفحہ ۵۲ پر ملاحظہ فرمائیے۔ [2] اجھیانی میں یہ مشاعرہ سنہ ۱۹[illegible] میں ہوا تھا۔

میں طالب نے پڑھے تھے۔ نمونے کے طور پر پیش ہیں۔ اس سے زیادہ
حالات و کلام نہ مل سکا۔ ۱۹۵۲ء سمہ میں انتقال ہوا۔

تم نے کیوں بیٹھے بٹھائے ہاتھ جو نمیں رنگ لئے
ہو نہیں سکتا جو تجھ سے میری بگڑی کا علاج

مل گیا میری اجل کو اک بہانا تیر کا
جوڑ دے قسمت میں ٹکڑا غیر کی تقدیر کا

طپاں

سکھ لال نام طپاں تخلص تھا۔ کاتک بدی اماوس سمت ۱۹۱۴ سمہ بکرمی مطابق ۱۸۵۷ء بروز سنیچر بمقام گنور پیدا ہوئے۔ والد کا نام منشی مہا نارائن تھا۔ جو تحصیلدار تھے۔ طپاں کا خاکہ اُن کے صاحبزادے ہردے نارائن نے اس طرح بیان کیا ہے۔

"آپ کا رنگ گورا، آنکھیں بڑی، قد میانہ، چہرے پر داڑھی تھی۔ بات کرتے وقت شخصِ مخاطب اُن سے آنکھیں نہیں ملا سکتا تھا۔ اگرچہ خندہ پیشانی سے گفتگو فرماتے تھے۔ اُن کی شخصیت بارعب تھی"[1]

طپاں کو تیرہ چودہ سال کی عمر میں ہی عربی زبان پر اچھی دسترس حاصل ہو گئی تھی۔ بعد میں سنسکرت پڑھی۔ آپ شروع سے ہی بہت ذہین تھے۔ کسی کتاب کو ایک بار پڑھنے کے بعد نہیں بھولتے تھے۔ وکالت کا امتحان پاس کیا۔ حکمت بھی پڑھی۔ طبابت میں تشخیص اچھی تھی۔ علاج مفت کرتے تھے وکالت کی آمدنی سے گزر اوقات کرتے تھے

---

[1] قلمی مسودہ از ہردے نرائن خوشتر

طپاںؔ آریہ سماج کے (Assistant) ممبر تھے۔ طپاںؔ کی شادی جوالہ سہائے رئیس و تحصیلدار متوطن بدایوں محلہ کوچہ پانڈہ کی چھوٹی صاحبزادی شریمتی گومتی دیوی (ف ۲۷ فروری ۱۹۴۵ء) سے ہوئی تھی۔ اولاد میں ایک صاحبزادے ہردے نرائن اور تین لڑکیاں ہوئیں۔

طپاںؔ فارسی زبان میں اس طرح گفتگو کرتے تھے جیسے اُن کی مادری زبان ہو۔ اس سلسلے میں ایک واقعہ اس طرح ہے کہ دربار ڈائمنڈ جوبلی جو ملکہ وکٹوریا کے جشن کے موقع پر ہوا تھا طپاںؔ نے ایک مضمون فارسی تحریر کر کے پڑھا اتفاق سے اس وقت تحصیل گنور میں ایک ایرانی تحصیلدار تھے۔ طپاںؔ کے مقالہ پڑھنے کے بعد تحصیلدار صاحب نے فرمایا کہ

"میرے بچے حتیٰ کہ میرے ملازمین بھی میرے ساتھ ایران سے آئے ہیں۔ فارسی بولتے ہیں مگر میں منشی صاحب کی تقریر سمجھنے سے قاصر رہا۔ زبانِ مادری ہونا کوئی خاص بات نہیں البتہ منشی ہونا ایک خاص قابلیت کی بات ہے"[۱]

مولوی الطاف حسین حالی کے ایما پر وہ مضمون لندن بھیجا گیا اور وہ مضمون لندن کے عجائب خانے میں رکھا گیا۔

طپاںؔ فارسی، اردو، ہندی میں نثر و نظم لکھتے تھے۔ فارسی اور اردو میں طپاںؔ اور ہندی میں سکھی تخلص کرتے تھے۔ علمی مذاق بہت بلند تھا۔ ۱۸ ستمبر ۱۹۱۸ء کو وفات پائی۔

نمونہ کلام

دل میں لگی ہے اُس بُتِ کیفی نظر کی چوٹ
لا ساقیا شراب کہ سکیں نظر کی چوٹ

عشقِ بتاں میں ٹھوکریں کھائی ہیں اے طپاںؔ
سنگیں دلوں کے ہاتھ سے کھانا نہ سر کی چوٹ

(اخبار ذرہ "قیصری" میرٹھ ۵ ستمبر ۱۸۹۷ء)

۱۔ قلمی مسودہ (خاندانی حالات طپاںؔ)

ہے کوئی شیدا بدی کا کوئی نیکی پر نثار
زاغ کو صیغہ پہ دیکھا گل پہ بلبل زار اور
نوچتے ہی پر کبوتر کے ہوا پر دار اور
شاخ جب کاٹی شجر کی ہو گئی بڑھوار اور
قط لگاتے ہی قلم کی ہو گئی رفتار اور
ایک نیزے سے بنی ہے کاٹھ کی تلوار اور

یہ کام ہو کے رہے چاہے جاں رہے نہ رہے
زمیں رہے نہ رہے آسماں رہے نہ رہے

غزل

کبھی تھے مکت جیون میں کبھی قالب میں پیہم ہم
تو نگر ہم ہیں نادار ہم کبھی شادی کبھی غم ہم
کسی تیر نگہ سے گھہ ہوئے زخمی تو ہمدم ہم
وفاؤں سے کبھی اپنے ہوئے زخموں کے مرہم ہم
ولادت موت یکساں ہے گدا کی اور شہنشاہ کی
فقیروں سے نہ برتر ہیں نہ شاہوں سے کبھی کم ہم
کبھی عاشق ہو لیلیٰ پر پھرے بن بن میں مجنوں بن
کبھی دے کوہکن کو دم بنے خسرو کے ہمدم ہم
سکھی ہم ہیں دکھی ہم ہیں طپاں ہم ہیں طپش ہم ہیں
چمن ہم گنگ ہم مروہ صفا کعبہ و زمزم ہم

عاجز

گردھاری لال نام اور عاجز تخلص تھا۔
جناب عطاء اللہ پالوی نے اپنی کتاب "اردو کے ہندو مثنوی نگار"
میں عاجز کے بارے میں تحریر کیا ہے کہ۔
"بدایوں مرحوم نیز ...ہے یہاں کے ایک مشہور شخصیت ظاہر ہوئی

ہیں۔ عاجزؔ اس زر افشاں سرزمین کے گل سرسبد تھے۔
انہوں نے "ابحرِ عشق" کے نام سے ایک مثنوی لکھی تھی جس
کے بارے میں لوگوں کی رائے تھی کہ بہت اچھی ہے مگر کہیں
اس کا نمونہ نہ مل سکا"

اتفاق سے مثنوی "ابحرِ عشق" کا ایک قلمی نسخہ[1] دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ واقعی یہ مثنوی اپنے آپ میں ایک انفرادی جاذبیت رکھتی ہے جسے قاری محسوس کئے بغیر نہیں رہتا۔

یہ مثنوی ۱۲۸۷ھ / ۱۸۷۰ء میں نول کشور پریس میں طبع ہوئی تھی۔ عاجزؔ نے اسے اپنے پھوپھی زاد بھائی دیا کرشن کے اصرار پر غدر کے زمانے میں تحریر کیا تھا۔ اس میں قصہ "شاہ فتن" کو نظم کیا گیا ہے۔ یہ قلمی نسخہ ۲۲×۱۸ اسائز کے ۷۷ صفحات پر مشتمل ہے۔ آخر میں دیبی پرشاد سحرؔ، طوطا رام شایاںؔ، گیندن لال گوہرؔ اور انبکا پرشاد جوہرؔ کے قطعہ تاریخ اور تقاریظ درج ہیں۔

مثنوی سے نمونہ کلام ملاحظہ فرمائیں۔ ایک کشتی کا منظر جس میں ایک خوبصورت لڑکی جلوہ افروز ہے

کشتی نہیں تھی نگار خانہ — ساماں تھا اس میں خسروانہ
مسند کمخواب کی بچھی تھی — جھالر اس میں تھی موتیوں کی
بیٹھی اس میں تھی اک پری وش — ہو دیکھ کے آدمی جس کو غش
خاموش تھی غنچہ ساں اکیلی — موجود نہ تھی کوئی سہیلی
صورت مہ دو ہفتہ تمثال — ثابت ہوئی جس سے چودھویں سال
جوڑے کی گرہ کسی ہوئی تھی — کس کس کی جان واں بندھی تھی

---

[1] یہ نسخہ جناب عطا اللہ خاں اشرف بدایونی کے ذاتی کتب خانہ میں محفوظ ہے۔

نہ مانگ کا فرق درمیاں تھا ۔۔۔ ظلمات کا راستہ عیاں تھا
رخساروں پہ زلفیں یوں نمایاں ۔۔۔ جیسے شعلے سے نکلے دودِ پیچاں
پیشانی تھی اُس کی لوحِ سیمیں ۔۔۔ جھومر سے مکمل تھا عقدِ پرویں
وہ قہر بلا قیامت آنکھیں ۔۔۔ لائیں آہو کی شامت آنکھیں
دانت اس کے تھے یاسمیں کی کلیاں ۔۔۔ دیکھ اس کو نکالیں دانت پریاں

جنگل کی منظر کشی۔

سنسان مقام ہو کا عالم ۔۔۔ ہو خضر کا دیکھ ناک میں دم
انسان تو کب لے جانے کا نام ۔۔۔ کوسوں پھٹکتی نہ وہاں دود دام
پیغامِ اجل وہاں کا پانی ۔۔۔ مسموم ہوا عدوئے جانی
ہمدوشِ بلا تھی اس کی گرمی ۔۔۔ دوزخ سے سوا تھی اس کی گرمی
پتی پتی پر سانپ اژدر ۔۔۔ رشکِ دم مار وہاں کی حرحر

جہیز کی تفصیلات

ڈیرہ خیمہ فروش رنگیں ۔۔۔ اونی سوتی ہزاروں قالیں
اسباب ہر اک طرح کا زیبا ۔۔۔ کمخواب اطلس حریر دیبا
مشکِ تاتار نافۂ چیں ۔۔۔ الماس و گہر عقیق رنگیں
چینی وہ غلام شکلِ غلماں ۔۔۔ ہندی وہ کنیزیں رشکِ کنعاں

دلہن کی تیاریاں

بالوں کو کوئی سنوارتی تھی ۔۔۔ آئینہ کوئی تھی کوئی دکھاتی
پھولوں کا پہناتی تھی کوئی ہار ۔۔۔ ملتی تھی حنا کوئی پرستار
بو مشک کی جس میں بس رہی تھی ۔۔۔ جوڑا کوئی اس کا کس رہی تھی
ہر صفت سے خوب تر سجا کر ۔۔۔ مسند پہ بٹھایا اس کو لا کر

ماخذ۔ مثنوی البحرۂ عشق اردو کے ... مثنوی نگار۔ از عطا اللہ پالوی۔

مثنوی کی زبان سادہ اور سلیس ہے۔ اس میں سب سے بڑی بات یہ ہے کہ قاری کی دلچسپی آخر تک بنی رہتی ہے۔

عاجز

اسم گرامی پریم جون اور تخلص عاجز ہے۔ آپ مخلص بدایونی کے صاحبزادے اور حیرت بدایونی کے چھوٹے بھائی ہیں۔ ۱۹۳۰ء میں بدایوں میں پیدا ہوئے اردو، ہندی، انگریزی کی مروجہ تعلیم حاصل کی۔ ہیلتھ ڈپارٹمنٹ میں ملازم ہیں والد اور بڑے بھائی کے شعری ذوق نے آپ کو بھی متاثر کیا۔ آپ ۱۹۶۱ء سے شعر کہہ رہے ہیں۔ ابتدا میں سیوتی پرشاد صہبائی (ف ۱۹۶۹ء) سے مشورۂ سخن فرماتے تھے۔ بعد میں جناب رونق بدایونی سے شرفِ تلمذ حاصل کیا اور آج تک انہیں کے دامن سے وابستہ ہیں۔ عاجز صاحب کی زبان صاف و شستہ ہے۔ آپ کے تخیل میں بلند پروازی ہے۔

نمونہ کلام

آہ کرنا غم محبوب سے نالاں ہونا ۔۔۔ کفر ہے رسم محبت میں پریشاں ہونا

اس کی تقدیر کی اُلجھن نہ گئی تا بہ حیات ۔۔۔ جس نے دیکھا تری زلفوں کا پریشاں ہونا

ایک مجبورِ محبت ہی سمجھ سکتا ہے ۔۔۔ ایک مجبورِ محبت کا پریشاں ہونا

تیرگی کو جو دور کر نہ سکے ۔۔۔ وہ سویرے بھی کیا سویرے ہیں

نیا اک پھول گلشن میں کھلا ہے ۔۔۔ ہزاروں پھول جب مرجھا گئے ہیں

وہ میرے ساتھ آئیں میکدے ہیں ہجوم غم سے جو گھبرا گئے ہیں

جن کی تعبیر کچھ نہیں ہوتی وہ غریبوں کے خواب ہوتے ہیں

تمہاری راہ کا ہر ایک پتھر مجھے آگاش کا تارا لگے ہے

اہل دنیا کے عیب و ہنر دیکھ کر اپنی جانب بھی شیخ حرم دیکھئے

میں غریب اور تو غریب نواز میری تیری برابری کیا ہے
تیرا بندہ ہے مبتلائے الم پھر تری بندہ پروری کیا ہے

ہے دونوں صداؤں میں تری کونسی آواز مندر میں ہے ناقوس تو مسجد میں اذاں ہے
یارب شب فرقت کی سیاہی ہے قیامت یہ ساری قیامت شب فرقت میں نہاں ہے

اُن کے کوچہ میں مر گیا عاجز موت بھی اُس کو شاندار آئی

ماخذ - میخانۂ جامیؔ، اردو کے مسیحی شعراء۔

عبرتؔ

سلّن جون نام، عبرتؔ تخلص تھا۔ آپ ۱۹۰۹ء میں بدایوں میں پیدا ہوئے۔ آپ ایلن جون مخلصؔ کے صاحبزادے اور حیرتؔ اور عاجزؔ کے بڑے بھائی تھے۔ تعلیم اردو مڈل تک تھی۔ انتقال لگ بھگ ۵۵ سال کی عمر میں ہوا۔

شعر و شاعری کا شوق بچپن سے تھا۔ آپ محمد اویس عارف بدایونی کے شاگرد تھے۔ "بہارِ نشاط" کے نام سے آپ کے کلام کا ایک گلدستہ علی گڑھ سے شائع ہوا تھا۔ عارف صاحب کی شاگردی کا اعتراف مندرجہ ذیل شعر میں کیا ہے۔

عبرت ہماری حضرتِ عارف کے لطف سے
کرتے ہیں جتنی قدر سخنداں نہ پوچھئے

نمونۂ کلام

ہے دو جہاں میں یارب ہر سو ظہور تیرا
ہر شئے میں جلوہ افگن دیکھا ہے نور تیرا

کوئی سنتا ہی نہیں درد سناؤں کس کو
اس برے وقت میں غمخوار بناؤں کسکو

بنا ہوں ہاتھوں سے تیرے بگاڑ دے نہ کوئی
خیال اتنا تجھے میرے کارساز رہے

سخت حیراں ہوں میں اس دل کا تماشا دیکھکر
یہ مچل جاتا ہے ہر صورت کو اچھا دیکھکر

ایسا نہیں زمانے میں عبرت کوئی رفیق
روشن پسِ فنا جو لحد پر دیا کرے

غم

چھوٹے لال غم محلہ چوبے کے رہنے والے تھے۔ آپ منشی دیبی پرشاد سحر بدایونی (ف ۱۹۰۲ء) کے شاگرد تھے۔

نمونہ کلام

ذیل شعر صنعت معرب مخصوص بہ کسرہ میں ہے یعنی ہر متحرک حرف پر زیر ہے۔

دلِ ملے جلنے کہ جنسِ انس میں
تری تیغِ عشق نے بسمل کئے

قطعہ تاریخ۔ گینڈن لال گوہر کی تصنیف "سائیں کے سو خیالات" کی اشاعت پر

سحابِ کرم بحرِ فیض و عطا — بہارِ گلستان لطف و سخا
ہے نام اُن کا گوہر کلام آبدار — جنھوں نے یہ نسخہ مرتب کیا
حقیقت میں ہیں شاہِ ملکِ سخن — نہیں ایسا شاعر کوئی دوسرا
بنائی انھوں نے یہ نادر کتاب — پڑھی جس کسی نے کہا مرحبا
پسند آئی خاطر کو میری بہت — ہوا جان و دل سے میں اس پر فدا
کھلایا ہے کیا خوب باغِ خیال — خزاں کا نہیں خوف جس کو ذرا
کہا مجھ سے غم ہاتفِ غیب نے — ہے تاریخ اس کی گلِ غم رُبا

۱۲۹۳ھ

ماخذ۔ تجلیات سخن "سائیں کے سو خیالات"

فارغ

منشی منگل سین نام، اردو فارسی شاعری میں فارغ اور سنسکرت میں منگل تخلص تھا۔ آپ قصبہ اسلام نگر ضلع بدایوں کے رہنے والے تھے اور کائستھ

گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کے والد منشی موہن لال اردو فارسی میں اچھی دستگاہ رکھتے تھے۔ آپ کا ابتدائی زمانہ اسلام نگر میں گزرا۔ اور ۱۸۹۵ء میں مستقل طور پر بدایوں چلے آئے اور یہاں مختاری کی پریکٹس شروع کردی۔ ۱۹۲۰ء میں کانگریس کمیٹی کے بدایوں میں قائم ہونے پر آپ اس میں شامل ہو گئے اور ۲۲-۱۹۲۱ء و ۱۹۳۰ء میں قومی تحریکوں میں حصہ لیا اور جیل گئے۔ آپ بدایوں ضلع کانگریس کمیٹی کے تاحیات صدر بھی رہے۔ آپ آریہ سماج بدایوں کے صدر بھی رہے تھے۔

منشی جی اردو فارسی اور سنسکرت میں شاعری کرتے تھے۔ آپ منشی دیبی پرشاد سحر بدایونی (ف ۱۹۰۲ء) کے شاگرد تھے۔ آپ نے تعزیرات ہند کا منظوم ترجمہ کیا تھا۔ جس کا تاریخی نام "مجموعہ تعزیرات ہند" ہے جس سے ۱۳۱۱ھ برآمد ہوتے ہیں۔ اس کا دوسرا ایڈیشن جو میرے پیش نظر ہے نومبر ۱۹۰۱ء میں قیصر ہند پریس بدایوں میں طبع ہوا تھا۔ اس کے دیباچہ میں منشی جی نے لکھا ہے کہ۔

چونکہ تشریحات و تعریفات سے دشوار تھا ۔۔۔ یاد کرنا ہند کے قانونِ تعزیرات کا
نظم کرنا ہے انہیں فارغ سہولت کیلئے ۔۔۔ دیجئے اصلاح ثابت ہو اگر سہو خطا

اس کے علاوہ منشی جی نے اسٹ ادھیائے (अष्टाध्याय) کا سنسکرت سے ہندی میں، بال کتھا مالا سنسکرت میں، آریہ سماج کی شان میں ایک مسدس "کارنامہ آریہ سماج"[1] اور ایک دو کتابیں اور تحریر کی تھیں جن کے نام معلوم نہ ہو سکے۔ منشی جی کا انتقال ۷۲ سال کی عمر میں ۱۹۴۳ء میں ہوا۔

نمونہ کلام

رباعیات

جن کاموں میں ہو رفاہِ عالم منظور ۔۔۔ ہو کثرت رائے سے ہر انساں مجبور
ہاں جن میں فقط فائدہ ذاتی ہو ۔۔۔ فارغ مختار ہے بشر ان میں ضرور

---

[1] یہ مسدس ۱۹۰۰ء میں قیصر ہند پریس بدایوں میں طبع ہوا تھا۔

ہر شخص سے حسن وفا کرکے ہو قابل | پیش آئیے دھرم اور محبت سے بدل
کر دیجیے جہل کو جہاں سے معدوم | اور کیجیے علم میں ترقی حاصل

عالم کے قیام کا سبب اور رحیم | خالق اور لایموت وبے مثل وقدیم
ہے مالک وقادر ومحیط و مطلق | لازم ہے آپ کی بندگی وتعظیم

ہو اپنی ترقی میں نہ قانع انساں | بہتر نہیں ہے یہ پیشِ دانشمنداں
اوروں کی ترقی میں ترقی اپنی | ہر ایک بشر کو سمجھنا شایاں

ماخذ۔ اکادمی، مجموعہ تحریرات ہند، بدایوں کے سوتنتر تا سینانی

فرحت

منشی رائے کرشن سہائے نام اور فرحت تخلص تھا۔ والد کا نام منشی رائے سنگھ تھا۔ فرحت کے اجداد مغلیہ عہد میں قانون گوئی کے عہدہ پر رہے تھے۔ فرحت بھی تحصیلدار رہے۔ فنِ شعر میں نواب غلام حسین خاں کے شاگرد تھے۔ آپ نے کئی کتابیں لکھی تھیں۔ آپ کی مثنوی "رموزِ عشق" نے کافی شہرت حاصل کی۔

نمونہ کلام

ولیکن بشر کی یہ طاقت کہاں | کہ کھولے وہ اس کی ثنا میں زباں
اسی راہ میں پائے خرد لنگ ہے | سخن کا یہاں قافیہ تنگ ہے
ملک ذکر میں اس کے خاموش ہیں | فلک بھی تو از خود فراموش ہیں

بہادر سنگھ نام اور کامؔ تخلص تھا۔ آپ کا ایک شعر "بحر الفصاحت" مصنفہ مولوی نجم الغنی میں درج ہے۔ یہ شعر بحروں میں وتد جمع ہونے کی تعریف میں دیا گیا ہے۔ جس کا وزن مفاعلن مفاعلن مفاعلن مفاعلن ہے۔

یہ تھوڑی تھوڑی مے نہ دے کلائی موڑ موڑ کر
بھلا ہو تیرا ساقیا پلا دے خم نچوڑ کر

ماخذ۔ بحر الفصاحت از نجم الغنی

کنور بہادر ورما نام، کمترؔ تخلص۔ ۵ جنوری ۱۹۱۱ء کو کٹیا ضلع بدایوں میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام دریافت چند تھا۔ ابتدائی تعلیم کٹیا اور اعلیٰ پور میں حاصل کی۔ ۱۹۳۱ء میں مسٹن اسلامیہ ہائی اسکول بدایوں (جو اب انٹر کالج ہے) سے ہائی اسکول پاس کیا۔ ۱۹۳۵ء میں محکمہ جیل میں ملازم ہوئے اور ۱۹۳۶ء میں یہاں سے الگ کر دیئے گئے۔ ۱۹۳۸ء میں محکمہ آبپاشی میں تقرر ہو گیا اور یہیں سے ۱۹۶۹ء میں رٹائر ہوئے۔ رٹائر ہونے کے بعد سے ۱۹۸۲ء تک مختلف مقامی پرائیویٹ فرمس میں ملازمت کی۔ ۱۹۳۵ء میں ضلع شاہجہان پور سے شریمتی چندر کانتا (ف ۱۹۷۹ء) کے ساتھ شادی ہوئی۔ کمترؔ صاحب سائیں بابا (پٹاپرتھی آندھرا پردیش) کے بہت عقیدتمند ہیں۔ وہ دو مرتبہ اُن سے ملاقات کا شرف حاصل کر چکے ہیں۔ آج کل تمام وقت اُنہیں کے ذکر میں گزارتے ہیں۔

آپ کی ادبی زندگی کا آغاز نو سال کی عمر میں ہوا۔ جب سے آپ مستقل لکھ

رہے ہیں۔ کبھی کسی سے مشورۂ سخن نہیں کیا۔ آپ کی پسندیدہ صنفِ سخن نظم ہے حالانکہ آپ نے غزلیں بھی کہی ہیں مگر اُن کی تعداد بہت کم ہے۔ ملازمت کے دوران افسران کے تبادلے اور آمد پر بے شمار نظمیں کہی ہیں۔ اس دور کے کلام میں زیادہ تر نظمیں سائیں بابا کی شان میں لکھی ہیں۔ جن میں بے پناہ عقیدت نمایاں ہے۔ مجموعی طور پر آپ کے کلام میں روانی و برجستگی جوش و جذبہ، حالات و واقعات کی منظر کشی، زبان کی صفائی ہے۔

نمونۂ کلام

مجھ سے دانستہ نظریوں وہ بچا لیتے ہیں — اس سے دنیا کو محبت کا گماں ہوتا ہے

تمہیں میں اسکی قدرت کا کرشمہ دیکھ لیتا ہوں — نئی جدت ہے بت خانے میں کعبہ دیکھ لیتا ہوں
کسی گلشن کا جب عہدِ شباب آنکھوں میں آتا ہے — بڑی حسرت سے ارمانوں کی دنیا دیکھ لیتا ہوں

بات جو چاہی ہے وہ اُن میں سبھی دیکھی ہے — زلف کے پیچ میں ہر چیز پھنسی دیکھی ہے
جھوٹ اور حکمِ عدولی پہ بگڑ جاتے ہیں — ورنہ ابرو پہ شکن بھی نہ کبھی دیکھی ہے

خوشی کی داستاں کو قصۂ غمناک کر ڈالیں — لگاوٹ سے گلِ خنداں کا دامن چاک کر ڈالیں
ہوا کرتا ہے وہ جادو چنچل حوروں کی باتوں میں — ذرا میں لہلہاتے گلستاں کو خاک کر ڈالیں

کمتر

بنواری لال نام کمترؔ تخلص۔ ۱۶ر جون ۱۹۲۹ء کو بھولا ناتھ (ف ۱۹۶۲ء) کے گھر پیدا ہوئے۔ کمتر صاحب نے ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی۔ تحصیلی مڈل

اسکول بدایوں سے ہندی مڈل اور میونسپل بورڈ سے اردو میں مڈل پاس کیا۔ ۱۹۴۶ء میں پرائیویٹ ہائی اسکول کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۴۸ء میں کلکٹری میں ملازم ہوئے اور اب تک بخوبی یہ فرض ادا کر رہے ہیں۔ کمتر صاحب کی شادی شیر گڑھ ضلع بریلی سے ۱۹۴۹ء میں ہوئی۔ اولاد میں ایک لڑکی اور چار لڑکے ہیں۔

کمتر صاحب کی ادبی زندگی کا آغاز ۱۹۴۲ء میں ہوا۔ شروع میں الوپ کشن لال مضطر[1] بدایونی سے اصلاح لیتے تھے۔ بعد میں فنا لودی[2] بدایونی اور سیوتی پرشاد[3] صہبائی سے مشورہ سخن رہا۔ آپ فانی بدایونی کے کلام کو بہت پسند کرتے ہیں۔ غزل آپ کی محبوب صنفِ سخن ہے۔ کبھی کبھی آپ نے نعت شریف بھی لکھی ہیں۔

نمونہ کلام

لعل و گہر کو لے کر ہم کیا کریں گے کمتر
ہے دل کے آئینہ میں صلِ علیٰ مدینہ

تیرتے تختے پہ دریا میں بٹھا کر کہہ دیا
اس طرح سے پار ہو جاؤ کہ دامن تر نہ ہو

عقیدت سے جو سجدہ ہو تو اس سجدہ کا کیا کہنا
خدا خود آ گیا کھنچ کر جبیں میں نے جہاں رکھ دی

خدا کا شکر ہے میرا چمن سلامت ہے
دگر نہ برق کا گرنا بھی اک قیامت ہے

---

[1] مضطر بدایونی کے حالات صفحہ ۱۵۴ پر ملاحظہ فرمائیں۔ [2] عابد سعید خاں فنا لودی بدایونی ۱۹۰۵ء کو بدایوں میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام عبد الحمید خاں (جو فانی کے چچازاد بھائی تھے) تھا۔ خان بہادر سخاوت حسین مدہوش (تلمیذ غالب) آپ کے نانا تھے۔ فنا صاحب نے ۱۹۲۹ء میں علی گڑھ یونیورسٹی سے بی۔ اے کیا۔ ۱۹۳۰ء سے ۱۹۶۲ء تک سب رجسٹرار کے عہدے پر فائز رہے۔ فنا بدایونی نے فانی بدایونی اور جعفر علی خاں اثر لکھنوی سے اصلاح لی۔ فنا کا مجموعۂ کلام "زنگار رنگ" جولائی ۱۹۵۹ء میں نظامی پریس بدایوں سے شائع ہوا تھا۔ آپ کا کلام سلاست، روانی اور بے ساختگی کا اچھا نمونہ ہے بحیثیت
(باقی صفحہ ۱۳۷ پر)

بوں پر آج ماضی کا مرے افسانہ آتا ہے
بھلاتا ہوں مگر کمبخت بے تابانہ آتا ہے

تصدق اپنی خودداری کے صدقے اپنی زندگی کے
نہیں جاتا ہوں جب پینے تو خود میخانہ آتا ہے

عداوت ہو گئی جب جام کو دستِ حنائی سے
نگاہِ ناز کا میرے لئے پیمانہ آتا ہے

گوہر

گیندن لال گوہر کے بزرگوں کا وطن فرخ آباد تھا۔ آپ سمت ۱۹۰۰ء مطابق ۱۸۴۳ء میں رام دیال رسا کے گھر پیدا ہوئے۔ والدہ کا انتقال آپ کی پیدائش کے کچھ عرصہ بعد ہی ہو گیا۔ آپ نے اپنی نانی کا دودھ پیا۔ گوہر کی شادی منشی ہزاری لال بریلوی کے یہاں ہوئی۔ اولاد میں ایک صاحبزادی تھی جس کی شادی سہاور ضلع ایٹہ سے ہوئی تھی۔ آپ ۱۸۹۰ء میں ضلع پیلی بھیت میں سررشتہ دار کلکٹری تھے۔ بعد میں بدایوں میں تبادلہ ہو کر آ گئے تھے۔ ۱۹۰۱ء ۱۳۱۹ھ میں انتقال ہوا۔

گوہر خاندانی شاعر تھے۔ آپ کے والد رام دیال رسا صاحبِ دیوان شاعر تھے ابتدا میں گوہر نے والد سے اصلاح لی۔ بعد میں شیو نرائن ہوش مراد آبادی، سعادت بدایونی[1] و منشی شیو پرشاد کشتہ[2] کے شاگرد رہے۔ گوہر کا شمار اس دور کے صاحبِ فن

(باقی حاشیہ صفحہ ۱۳۶ کا) شاعر تقریباً نصف صدی تک شعر و ادب کی محفلوں کو جگمگا کر ۳۰ نومبر ۱۹۷۲ء کو اس دارِ فانی سے عالمِ جاودانی کو سدھار گئے۔ [3] سیوتی پرشاد صہبائی کے حالات صفحہ ۱۱۸ پر ملاحظہ فرمائیں۔

[1] آپ کا نام شیخ سعادت اللہ تخلص سعادت تھا۔ والد کا نام شیخ محمد واصل تھا۔ سید باڑہ کے رہنے والے تھے آپ کے دو شعر فارسی کے پیش ہیں۔

ہر کہ در عشق نبی چشم ترے میدارد
او بصد لطف بجالس نظرے میدارد

شاخ ہر نخلِ محبت ثمرے میدارد
اے سعادت بجالس اثرے میدارد

(تاریخ بدایوں ۱۳۲)
(تجلیات سخن)

شعراء میں ہوتا تھا۔ آپ کے شاگردوں میں رام لال راحت، پنڈت دین دیال شریر بینی دھر دریا وغیرہ تھے۔ گوہر نے کافی کتابیں لکھیں۔ ۱۹۰۰ء تک بقول دیبی پرشاد سحر بارہ چودہ کتابیں شائع ہو چکی تھیں[1]۔ کچھ کتابوں کے نام اس طرح ہیں — واسوخت، مثنوی شب چراغ، انشا معدنِ شب چراغ، انشا معدن فیض، پنجۂ گوہری سائیں کے سو خیالات معروف چمنستان خیالات گوہر ۱۲۹۳ھ وغیرہ

نمونہ کلام

رُخِ پرنور کو تشبیہہ دینا مہرِ محشر سے	مری دانست میں تو رُخ کو آئینہ دکھانا ہے

قطعہ

رات کو خواب میں زلفیں تری برہم دیکھیں	ظاہرا مجھ کو نظر آتی ہیں تعبیریں دو[2]
یا تو دو مارِ سیاہ جان کے خواہاں ہوں گے	یا پنہائے گا جنوں پاؤں میں زنجیریں دو[2]

قطعہ تاریخ انتقال رسا بدایونی[1]

میرے والد تھے منشی رام دیال	عالم و فاضل و خدا آگاہ
تھا تخلص رسا جو ذہن رسا	تھے وہ عالی خیال و عالی جاہ
کشورِ عقل و علم کے حاکم	ملکِ شعر و سخن کے شاہنشاہ
فلک نظم و نثر کے خورشید	چرخ اخلاق کے دو ہفتہ ماہ
اُن کا سایہ اُٹھا مرے سر سے	آ پڑا سخت صدمہ جانکاہ
ہوئے بیکنٹھ باش وہ امسال	پیش آیا بڑا سفر ناگاہ
سیرِ جنت ہوئی جو پیشِ نظر	شاعری کو بھی لے گئی ہمراہ
شاعر و شعر فہم بعدِ جناب	نہیں پیدا کہیں جو کیجے نگاہ
سب معانی حضور میں حاضر	سب مضامیں تھے بندۂ درگاہ

(باقی حاشیہ صفحہ ۱۳۷ کا) [2] شیو پرشاد کشتہ بھی بدایوں کے رہنے والے تھے۔ مزید حالات نہ مل سکے۔

[1] دیوان منشی رام دیال رسا بدایونی —

چونکہ جز صبر کچھ نہ تھا چارہ ہو ا صابر من بہ رضائے اللہ
فکر تاریخ لکھنے کی جو ہوئی نہ ملا کوئی مادہ دل خواہ

لکھ دیا میں نے سمت اے گوہر
از سر ہائے و درد و حشرت و آہ

۵ ۴ ۹ ۱ = ۱۹۴۵ سمت بکرمی

لب ساحل سے یہ تقدیر جاری ہے سمندر کی حباب آسا حیات اس بحر فانی میں ہے دم بھر کی
چڑھائی کشور دل پر ہوئی کافروں کے لشکر کی مژہ کی، خال کی، ابرو کی، خط کی، زلف کافر کی
بغل نے قد نے زلف و چشم و رخ نے قدر کم تر کی سمن کی، سرو کی، سنبل کی، نرگس کی، گل تر کی

میں ہوں مست شراب عشق گوہر دل میں الفت ہے
قرابے کی صراحی کی سبو کی خم کی ساغر کی

ماخذ۔ ہندو شعراء، موج گنگ، دیوان منشی رام دیال رسا، گلدستہ بدایوں اکتوبر ۱۸۹۲ء

گوہری

گوہری کا تعلق کائستھ خاندان سے تھا۔ آپ کو حضور غوث الاعظمؒ سے بہت عقیدت تھی۔ جس کا اظہار آپ کے کلام میں ملتا ہے۔ مولوی کریم الدین نے "طبقات الشعرا" میں آپ کا ذکر کیا ہے۔

گوہری تیرے مریدوں کے غلاموں کی تمنا کر نہیں سکتا ہے مرشد قصور عقل سے

میں کہا تری گلی میں ہے گزر مرا مدام ان کہا بلبل کو لازم ہے گزر بستان میں

آہ سے گردوں کا سینہ چاک کردوں تو سہی اخگر خورشید کو بھی خاک کردوں تو سہی

ماخذ۔ طبقات الشعراء

ماتھر

بانکے لال نام تھا۔ گنور ضلع بدایوں کے رہنے والے تھے۔ کرتا پاجامہ یا دھوتی کرتا پہنتے تھے اور چشمہ لگاتے تھے۔ تحصیل میں اہل کار تھے۔ شراب جی بھر کر پیتے تھے۔ مشاعروں میں عالمِ سرور میں ہی شرکت کرتے تھے انداز بیان بے باکانہ تھا۔ مشاعروں میں پسند کئے جاتے تھے۔ اور خوب داد حاصل کرتے تھے مزاح نگار تھے۔

نمونہ کلام

یہ تعلق بھی ہے دلربا دوستو میرا رہزن مرا رہنما دوستو

لیلیٰ شیریں میں اک فاصلہ دوستو ہے مگر زلف کا سلسلہ دوستو

رہنماؤں سے ہم کو سبق یہ ملا جیل جانا ہے کارِ وفا دوستو

جام میں جتنی ہے آج پی لو ابھی کل کا کیا دیکھنا آسرا دوستو

محفلِ یار میں جام چلتے رہیں

اپنے ماتھر کی اتنی دعا دوستو

قلیل تنخواہ کی وجہ سے میں کچھ سہاروں کو ڈھونڈتا ہوں

جو خود پئیں اور مجھے پلائیں میں ایسے یاروں کو ڈھونڈتا ہوں

دادا کے زمانے سے مٹکوں میں شراب آئی ماتھر کہیں بہکے گا اک چھوٹی سی پیالی سے

ماخذ:۔ مکتوبات ڈاکٹر سیفی پریمی

متین

رام غلام نام متین تخلص تھا۔ آپ بدایوں میں صدر قانون گو تھے آپ کا نام قمر بدایونی نے اپنے مقدمہ[1] میں تحریر کیا ہے۔

نمونہ کلام

قطعہ تاریخ معیار البلاغت

بلیغ زماں منشی سحر صاحب جو ہیں بے بدل موشگاف بلاغت
لکھا ہے انھوں نے یہ نادر رسالہ جو ہے مرآت روئے صاف بلاغت
اگر طبع کا سال لکھنا ہے تم کو تو لکھ دو متین انکشاف بلاغت

قطعہ تاریخ واسوخت نمک ۱۸۸۵ء

ہے عجیب کلام یہ جانفزا غضب اس میں لطف ہے اور مزہ
کہیں حسن کا ہے معاملہ کہیں ہے سوالِ جوابِ عشق
کہیں عجز عاشق مبتلا کہیں جورِ دلبر بے وفا
کہیں نشہ بادۂ حسن کا کہیں دور جام شراب عشق
جو یہ حسن و عشق کا تذکرہ ہوا دل پسند و طرب فزا
تو متینِ زار نے لکھ دیا کہ طلسم سحر و کتابِ عشق

۱۳۰۰ھ

[1] مولانا نظامی بدایونی کے شعری مجموعہ تجلیات سخن پر قمر بدایونی کا مقدمہ ہے۔

محبوب

ایس ۔ جے ۔ ڈیلگٹن نام ، محبوب تخلص ہے ۔ والد کا نام مسٹر آنی ڈیلگٹن تھا ۔ محبوب صاحب ۱۵ ؍ جنوری ۱۹۱۹ء کو بدایوں میں پیدا ہوئے ۔ بی ۔ ایس سی تک تعلیم ہے ۔ آپ ہومیو پیتھک کے ڈاکٹر ہیں

شاعری کا شوق ۱۹۶۰ء سے ہے ۔ آپ جناب رونق بدایونی کے ارشدِ تلامذہ میں شامل ہیں ۔ ابتدا میں سلطان جون عبرت بدایونی سے اصلاح لیتے تھے

نمونہ کلام

نہ پیام آیا ہے ان کا نہ سلام آج کی رات
کیسے ہوگی مرے اللہ تمام آج کی رات

لٹا کر کاروانِ دل یہ سمجھے
رہِ الفت میں دھوکا کھا گئے ہیں
وہ غم سے کس طرح ٹکرا سکیں گے
جو غم کے نام سے گھبرا گئے ہیں

سوال یہ تھا کہ تسکینِ دل کہاں ڈھونڈوں
جواب یہ ہے کہ دیوانگی کے دامن میں

شرابِ شوق سب پینے لگیں جب انکی نظروں سے
تو میخانے کا کیا ہو اور پیمانے کہاں جائیں

ہزار صبر و تحمل کے بعد بھی محبوب
کسی کی یاد جب آئی تو آنکھ بھر آئی

غلط کہ گردشِ دوراں بدل گئی محبوب
سحر کو دیکھ رہا ہوں برنگ شام ابھی

قیس و لیلیٰ ہے کہیں شیریں و فرہاد کہیں کتنے افسانے بنیں گے مرے افسانے سے

خوش نصیبی سے اگر آپ ہمارے ہوتے ہم کو دنیا ہی میں جنّت کے نظارے ہوتے

ہیں جن کی نظر میں تری زلفیں ترا چہرا محفوظ وہ رہتے ہیں غمِ شام و سحر سے

ماخذ:- میخانۂ جامی

مُخلص

اللّن جون نام اور مخلص تخلص تھا۔ ۱۸۷۹ء میں منشی للّن کے گھر محلہ پنواڑی میں پیدا ہوئے۔ آپ کی شادی ۱۹۰۵ء میں شہباز پور (بدایوں) سے ہوئی۔ اولاد میں ۵ لڑکے اور ایک لڑکی ہوئی۔ بڑے صاحبزادے سلن جون عبرت کا انتقال ہو چکا ہے۔ مخلص صاحب ۲۷-۱۹۱۲ء تک لکھنؤ میں گورنر جنرل نی ڈسیلن صاحب کے ملازم رہے

اللّن جون مخلص کے ایک چچا منشی مداری لال گوہر اردو کے شاعر تھے۔ مخلص کو اوائل عمر سے ہی شاعری سے لگاؤ تھا۔ ۱۹۰۱ء میں استاد محمود[1] کے حلقہ تلامذہ میں شامل ہو گئے۔ آپ بڑے زود گو تھے۔ لکھنؤ ... قیام کے دوران وہاں اکثر مشاعروں میں شرکت فرماتے تھے۔ آپ کے کئی کتابچے شائع ہوئے۔ ۱۹۳۵ء میں "راہِ نجات" کے نام سے حضرت علیسیٰ کی شان میں کچھ غزلوں کا گلدستہ چھپا تھا۔ ۱۹۳۶ء میں "فریادِ حزیں" کے نام سے غزلوں

---

[1] شیخ محمود حسن جلیل کے والد کا نام شیخ فصیح الدین تھا۔ آپ محلہ مردھ ٹولہ بدایوں میں رہتے تھے۔ امجد بدایونی کے شاگرد تھے۔ ۲۷ اپریل ۱۹۱۶ء کو انتقال ہوا۔ ایک شعر ملاحظہ فرمائیں۔

ہماری گریہ و زاری تو دیکھو ؛ یہ عینِ رحمتِ باری تو دیکھو ——— (تجلیاتِ سخن)

کا گلدستہ جناب محب اللہ صاحب ڈپٹی کلکٹر بدایوں نے شائع کرایا تھا۔ نعت و منقبت کا مجموعہ "گلدستہ نعت" ۱۹۳۹ء میں امیر الاقبال پریس بدایوں سے شائع ہوا۔ مخلص صاحب مشاعروں میں کثرت سے شریک ہوتے تھے۔ آپ کے بیٹوں میں سلمن جون عبرت مرحوم، حیرت بدایونی اور عاجز بدایونی شاعر ہوئے۔

مخلص بدایونی صاحب کا کلام اُن کی شاعرانہ صلاحیتوں کا آئینہ دار ہے۔ آپ کے یہاں عقیدت و احترام کے ساتھ نعت رسول کے اچھے نمونے ملتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ الفاظ و محاورات کا برمحل استعمال، زبان و بیان کی دلکشی کی خوبیاں بھی نظر پڑتی ہیں۔

مخلص صاحب نے تقریباً ۷۰ سال کی عمر پائی اور اس عمر کا بیشتر حصہ شعر و شاعری کی خدمت میں گزار کر ۱۹۵۵ء میں انتقال کر گئے۔

نمونہ کلام

کیوں نہیں چلتا دلِ ناداں مدینے کی طرف
ہند میں رہ کر گرفتارِ بلا ہو جائے گا

دل ہمارا ہند کے گلزار میں لگتا نہیں
جب سے آئے ہیں مدینہ کا گلستاں دیکھ کر

اگر تم دیکھنا چاہو خدا کو
کرو راضی محمد مصطفےٰ کو

تمہاری جس پہ پڑتی ہے نظر محبوب سبحانی
نہیں مشکل میں رہتا وہ بشر محبوب سبحانی
میں بدبختی سے بحرِ آرزو میں ڈوبا جاتا ہوں
مری کشتی لگا دو پار یا محبوب سبحانی

گھر وہ آباد ہو نہ کیوں جس میں
ہو ترا تذکرہ معین الدین

خدا اپنا کرم کرتا ہے بیشک ایسے بندے پر
پکڑ لیتا ہے جو داماں معین الدین چشتی کا

اشعارِ غزل

مجھ کو مرے جنوں نے تمہارے فراق نے
ایسی زمیں دکھائی جہاں آسماں نہ تھا

شبِ فراق سے پھونکو نہ یہ صحیفۂ دل !
روا نہیں ہے لگانا کسی کتاب میں آگ

ہوائے دید سے بھڑکی دلِ خراب میں آگ
بھری ہوئی ہے بلا کی ترے نقاب میں آگ

اُن کی آنکھیں دیکھ کر ہشیار آنکھیں ہو گئیں
کیا تماشہ ہے کہ دو سے چار آنکھیں ہو گئیں

ہو گیا سارا لہو دردِ جگر سے پانی
ساتھ آہوں کے گرا دیدۂ تر سے پانی

جوشِ گریہ ہے شبِ ہجر خدا خیر کرے
ہو نہ جائے کہیں اُونچا مرے سر سے پانی

اب آ رہا ہے زمانہ بہت بُرا مخلص
غریب بن کے رہو آبرو بچائے ہوئے
یہ آرزو کی خطا اور قصور ہے دل کا
تمہاری بزم میں آئے ہیں بے بلائے ہوئے

ماخذ ۔ گلدستہ نعت رسول ۔

مخمورؔ

بسنت رائے مخمورؔ کا جنم سکسینہ کانستھوں کے اُس گھرانے میں ۸ جنوری
۱۸۹۶ء کو بلسی میں ہوا جو جہاں آباد ضلع پیلی بھیت سے ترکِ وطن کر کے

بلسی ضلع بدایوں میں آباد ہو گیا تھا۔ آپ کے والد منشی کلیان رائے یو پی کے مشہور کوتوال تھے۔ مخمور کو ۵ سال کی عمر میں بلسی کے ایک مکتب میں داخل کرایا گیا جہاں گیارہ سال کی عمر تک تعلیم حاصل کرتے رہے۔ محکمہ پولیس میں چند سال ملازم رہ کر الگ ہو گئے اور بلسی میں اپنی جائیداد کی دیکھ بھال میں لگ گئے۔

ذوقِ شعر فطری تھا۔ آپ کے دادا منشی منھن لال بہجتؔ کہنہ مشق شاعر تھے آپ کے خاندانی چچا سرورؔ جہاں آبادی کی ذات محتاج تعارف نہیں۔ مخمورؔ کو ۱۴ سال تک سرورؔ کے ساتھ رہنے کا موقع ملا۔ اُنہوں نے سرورؔ کے کلام سے ہی زیادہ استفادہ کیا۔ مخمورؔ کسی کے شاگرد نہیں تھے۔ اور نہ ہی اُنہوں نے اِس فن میں اپنا کوئی شاگرد چھوڑا۔ آپ کے بڑے صاحبزادے جسونت رائے رعناؔ (ف ۱۹۸۳ء) ملک کے مشہور شاعر تھے۔ مخمورؔ صاحب کے کلام میں تغزل، شباب کے ولولے، جوش و خروش کی اچھی مثالیں نظر پڑتی ہیں۔ آپ نے کوئی کتاب یادگار نہیں چھوڑی۔

نمونہ کلام

تھک گئے گر پڑ کے ہم بھی کوئے قاتل کے قریب
آہ کیا منہ لے کے جائیں انکی محفل کے قریب

یوں تو دیکھے ہیں نظر والے جگر والے بہت
ہم نے کھڑکائیں درِ زنداں کی زنجیریں بہت

اس کو کیا کہیے کہ کوئی دیکھنے والا نہیں
ڈگمگائے پاؤں، دل ڈوبا سا، بہکی سی نظر

بحرِ الفت کا اگر کوئی تماشائی ملا

آج منزل ختم ہو جائے گی منزل کے قریب
کوئی حسرت بھی تو اب باقی نہیں دل کے قریب

دل نہیں دیکھا مگر اب تک کوئی دل کے قریب
کوئی دیوانہ نہیں آیا سلاسل کے قریب

اب بھی اڑتا ہے غبارِ قیس محمل کے قریب
یہ نہ جانے آ گئے ہم کس کی محفل کے قریب

ہم ڈبو دیں گے سفینہ لا کے ساحل کے قریب

اُن کو ہم اہلِ کرم مخمورؔ کس دل سے کہیں
دو قدم چل کر نہ آ پائے جو سائل کے قریب

لے حالات صفحہ ۹۳ پر ملاحظہ کریں۔

کوئی دنیائے اُلفت میں کسی کا رازداں کیوں ہو — اگر ٹوٹا ہوا دل ہو تو پھر منہ میں زباں کیوں ہو
میں اُٹھ کر اب ترے در سے کہاں جاؤں کدھر جاؤں — مری دیوانگی آخر تماشائے جہاں کیوں ہو
نہ ہو کھٹکا جہاں صیاد کا پھر وہ چمن کیسا — نہ بجلی گر سکی جس پر وہ میرا آشیاں کیوں ہو
مرے زخموں کو دنیا دیکھ کر ہنستی ہے ہنسنے دو — جسے سُن کر کوئی رو دے وہ میری داستاں کیوں ہو

نظر بھی رہ گئی مخمور گردِ راہ میں چھپ کر
جسے منزل دکھائی دے وہ میرا کارواں کیوں ہو

ترے غم میں اتنا تو ہوش ہے مرے دل کے ساتھ نظر گئی
جو نہیں تو اس کی خبر نہیں تری بزمِ ناز کدھر گئی
تری زلف تھی وہ سنور گئی مری داستاں تھی بکھر گئی
جو اجل نہ آئی تو کیا کروں شبِ ہجر تھی سو گزر گئی
مری بیکسی کی پکار پہ جو اُٹھی تو کالی گھٹا اُٹھی
مری حسرتوں کے مزار تک نہ کبھی نسیمِ سحر گئی
لہو چشمِ تر سے بہا تو یوں انہیں چارہ ساز بنا تو یوں
کوئی داغ دل سے نکل گیا تو دوائے دردِ جگر گئی
نہ تھے پاس اُڑنے کو پر اگر تو نظر کے ساتھ چمن تو تھا
یہ نہ جانے بجلی کو کیا ہوا مرے چار تنکوں پہ مر گئی

انہیں داغ دل کے دکھانے چلے ہیں — جگر پر نئی چوٹ کھانے چلے ہیں
میں جس سمت جوشِ جنوں میں چلا ہوں — مرے ساتھ سب آشیانے چلے ہیں
مرے باغ کے پھول کیا تنکا تنکا — مرے بال و پر آزمانے چلے ہیں
کلیجہ ہوا جانے کس کا چھلنی — ترے تیر سب بے نشانے چلے ہیں

نہ آجائیں آنکھوں میں آنسو کسی کی　　ترے روبرو مسکرانے چلے ہیں

رہ رہ کے یاد آتے ہیں وہ بام و در ابھی　　بھولا ہوا ہوں گردشِ شام و سحر ابھی
اچھی یہ روشنی تھی حریمِ جمال کی　　جلووں میں کھو گئی مری تابِ نظر ابھی
پھر بھی سمیٹتا ہوں اسی آشیاں کی خاک　　بکھرے ہوئے پڑے تھے جہاں بال و پر ابھی

قطعہ

روشن چراغِ شام کیا ہے کبھی کبھی　　ہم نے بھی اتنا کام کیا ہے کبھی کبھی
سایہ بھی جب نہیں کسی دیوار کا ملا　　در کو ترے سلام کیا ہے کبھی کبھی

ماخذ۔ قلمی حالات و کلام محمود بلسوی۔

مخمور

راجیشور پرشاد اگروال نام، مخمور تخلص۔ ۲۰ مارچ ۱۹۰۳ء کو بابو رام نواس (ف ۱۹۵۶ء) کے گھر کاسگنج ضلع ایٹہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد وکیل تھے۔ مخمور صاحب کی ابتدائی تعلیم کاسگنج میں ہوئی اور وہیں سے ہائی اسکول کا امتحان پاس کیا۔ علی گڑھ سے انٹرمیجیٹ اور لکھنؤ سے B.A کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۴۴ء میں آگرہ کالج سے L.L.B کی ڈگری حاصل کی۔ اعلیٰ قابلیت کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۴۴ء میں ہندو ہائی اسکول چاندپور میں اردو فارسی کے ماسٹر ہو گئے۔ لیکن وہاں صرف چھ ماہ تک رہے۔ اس کے بعد ۱۶ مارچ ۱۹۴۵ء سے بدایوں میں پریکٹس شروع کر دی۔ ۱۹۴۶ء میں کورٹ انسپکٹر ہو گئے۔ ۱۹۴۸ء میں اس سے استعفیٰ دے کر پھر اپنی پریکٹس بدایوں میں ہی شروع کر دی اور آج تک کر رہے ہیں۔ مخمور صاحب کی شادی ۱۹۴۲ء میں ہوئی اولاد میں ۴ لڑکے اور تین

لڑکیاں ہیں۔

محمور صاحب علم النجوم میں اچھی واقفیت رکھتے ہیں۔ یوں تو ۱۹۳۶ء سے ہی آپ کو اس کا شوق رہا ہے۔ لیکن سن ۱۹۷۰ء سے آپ اس طرف زیادہ توجہ دے رہے ہیں۔ کافی لوگ اس سلسلے میں آپ کے پاس آتے ہیں محمور صاحب کے مشاغل میں فوٹو گرافی اہم ہے۔

محمور صاحب کے والد اردو فارسی میں اچھی دستگاہ رکھتے ہیں جگر بریلوی (ف ۱۹۷۶ء) سے خصوصی مراسم تھے۔ جگر بریلوی کاسگنج میں قیام کے دوران آپ کے یہاں ضرور تشریف لاتے تھے۔ محمور صاحب کی پرورش ایسے ماحول میں ہوئی جس میں شعروادب کا چرچا تھا۔ ۱۹۴۹ء سے آپ بھی شعر موزوں کرنے لگے۔ شروع میں حکیم لکشمی نرائن جوہر (ف ۱۹۶۳ء) سے اصلاح لی۔ بعد میں حاجی جامی بدایونی (ف ۱۹۶۵ء) کے حلقۂ تلامذہ میں شامل ہو گئے۔ استاد کے بارے میں ایک شعر میں کہا ہے۔

فن جامی پر ختم تھا کہتے ہیں سب خاص و عام

آپ نے غالب، جگر مرادآبادی، فانی بدایونی، اصغر گونڈوی، مجاز لکھنوی اور ساحر لدھیانوی کے کلام کا زیادہ مطالعہ کیا ہے جو ان کے پسندیدہ شاعر ہیں مثنویوں میں گلزار نسیم، مثنوی پیام ساونتری، لال و گوہر، طلسم الفت، عالم خیال (شوق قدوائی) بہت پسند ہیں۔ آپ ۱۹۵۶ء تک مشاعروں میں کافی شریک ہوتے تھے۔ کئی آل انڈیا مشاعروں میں بھی شرکت کر چکے ہیں۔ لیکن اب مشاعروں میں بالکل شریک نہیں ہوتے۔ انجم فوقی بدایونی (مقیم کراچی) سے آپ کے خصوصی مراسم رہے ہیں۔ انجم صاحب نے آپ کا ذکر "مخاطباتؔ" میں کیا ہے محمور صاحب کو اردو فارسی سے والہانہ لگاؤ ہے۔ آپ نے فرمایا کہ۔

"اردو ہندو مسلمانوں کی کیا بلکہ تمام ہندوستان کی زبان ہے

لہ "مخاطبات" انجم فوقی کے خطوط کا مجموعہ ہے جو ۱۹۶۰ء میں شائع ہوا۔

جو زندہ ہے اور زندہ رہے گی۔"

محمور صاحب کی پسندیدہ صنف سخن غزل رہی ہے۔ آپ کے کلام میں سادگی و صفائی، متانت و سنجیدگی موجود ہے۔

نمونہ کلام

گھٹا چھائے تو ہم گلزار کو میخانہ کہتے ہیں
کفِ ساقی میں گل کو دیکھ کر پیمانہ کہتے ہیں

جنونِ عشق میں گویا خموشی ہے زباں اپنی
ادا ہو جو نگاہوں سے اُسے افسانہ کہتے ہیں

جہاں کچھ جی بہل جائے سمجھتے ہیں اُسے گلشن
جہاں وحشت ہی وحشت ہے اُسے ویرانہ کہتے ہیں

نہ ساقی ہے نہ مےکش ہے نہ دورِ جام و مینا ہے
وہ اپنی بزم کو پھر کس لئے میخانہ کہتے ہیں

خدا کا شکر اُن لوگوں میں ہیں محمور بھی شامل
جو چشمِ ساقی مدہوش کو پیمانہ کہتے ہیں

زلفوں کا ذکر بزمِ تصور میں چھیڑ کر
طولِ شبِ فراق گھٹا دوں تو کیا کرو

محمور ایک جام میں منصور بن گئے
دو چار جام اور پلا دوں تو کیا کرو

داغِ دل، داغِ جگر رشکِ بہاراں ہو گئے
جب ہنسی آئی تمہیں سب زخم خنداں ہو گئے

ایک ہم ڈوبے تو کیوں تم کو تعجب ہو گیا
بحرِ الفت میں ہزاروں غرقِ طوفاں ہو گئے

آتا نہیں سمجھ میں کہ دشمن نے کس لئے
رکھا ہے کوئے یار مری رہ گزر کا نام

سیکڑوں بادہ کشانِ عشق توبہ کر چکے
ہے ترے دم سے فقط محمور میخانے کا نام

روئے حسین پر کالا تل
نور زیادہ ظلمت کم

ایک یہی ہے میرا کام　　ہجر کی راتیں تیرا نام

سکوں ہوتا ہے نالوں سے نہ آہیں راس آتی ہیں
مصیبت کے زمانے میں کوئی اپنا نہیں ہوتا

کروں تیرا دیدار دیر و حرم میں　　خدا کی قسم بس یہی آرزو ہے
زباں زد ہے قصہ محبت کا تیری　　زمانے میں بدنام مخمورؔ تو ہے

جنونِ عشق میں صحرا نوردی کے سوا کیا ہے　　بجز رنج و الم انکی محبت کا صلہ کیا ہے

مکاں کا ذکر چھیڑا لامکاں تک بات جا پہنچی
کہاں کا تذکرہ تھا اور کہاں تک بات جا پہنچی
گری ہوگی کہیں بجلی اسیرِ غم کو کیا مطلب
قفس کا ذکر چھیڑا آشیاں تک بات جا پہنچی

ابھی مخمورؔ میری بادہ نوشی نامکمل ہے　　ملے موقع تو کچھ دن خدمتِ پیرِ مغاں کر لوں

وہ آستاں ہے اور میرا سر ہے آجکل　　عرشِ بریں پہ اپنا مقدر ہے آجکل
کس پر اثر نہیں ہے غمِ روزگار کا　　کس کو سکونِ قلب میسّر ہے آجکل

مصرؔ

رام گوپال مصرا نام، مصرؔ تخلص تھا۔ تقریباً ۱۸۸۶ء میں بدایوں میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد، دائی ریاست بلرام پور، تکسی پور و چرروہ کے مہاراجہ بہادر سر بھگوتی پرشاد سنگھ کے اتالیق اور بعد ازاں سکریٹری رہے اور آپ کے خسر پنڈت ہیبت رام سی۔ آئی۔ اے ریاست ریواں میں دیوان تھے مصرؔ نے بی۔ ایس۔ سی، ایم۔ آر۔ اے۔ ایس تک تعلیم حاصل کی تھی۔ آپ مزید تعلیم کی غرض سے لندن بھی جانے والے تھے لیکن کسی وجہ سے نہ جا سکے۔ خوش قسمتی سے آپ کا تقرر اسی سال ڈپٹی کلکٹر کے عہدے پر ہو گیا۔ آپ یو پی سول سروس ایسوسی ایشن کے پہلے جوائنٹ سکریٹری بھی منتخب ہوئے تھے۔ مصرؔ اپنی ملازمت کے دوران جن مقامات پر تعینات رہے وہاں اپنی یادگار ضرور قائم کی۔ گورکھپور میں کسیا (مقام موتی بھگوان بدھ) پر ایک پمفلیٹ لکھا جس کی اشاعت ہسٹوریکل سوسائٹی اتر پردیش کی طرف سے ہوئی۔ غازی پوری میں ایک کلب اور کالپی ضلع جالون میں ایک انگلش اسکول قائم کیا۔ گورکھپور میں قیام کے دوران ایک عظیم الشان آل انڈیا مشاعرہ[1] کرایا۔

مصرؔ صاحب کو اوائل عمر سے ہی شعر گوئی کا شوق تھا۔ طالب علمی کے زمانے میں کالج کے مشاعروں میں حصہ لیتے تھے۔ آپ نے ہندوستان کے مشاہیر شعراء سے اکثر اصلاح لی۔ مگر باقاعدہ کسی کے شاگرد نہیں رہے۔ ۱۹۳۲ء تک آپ کی مندرجہ ذیل مطبوعات ہندی منظر عام پر آ چکی تھیں۔

(۱) چندر بھون۔ (۲) مایا۔ (۳) بال شکشا مالا۔ آپ انگریزی کے بھی اچھے اسکالر تھے۔ آپ نے اس زبان میں قانون پر ایک کتاب انڈین لا فار جو ڈیشل

---

[1] یہ مشاعرہ ۱۹۳۲ء میں گورکھپور میں ہوا تھا۔

آفنڈرس بھی تحریر کی تھی۔ آپ نے ایک سوسائٹی میموری آف پاسٹ لائف ریسرچ ایسوسی ایشن بھی قائم کی تھی۔

مضطر صاحب کے کلام میں زبان کی صفائی و سادگی نمایاں ہے۔

نمونہ کلام

خلش ہے یہ مجھے برقِ طپاں سے
اسے کیوں ربط ہے دردِ نہاں سے
ہم اکثر پوچھتے ہیں کارواں سے
کہاں ہیں کیا ہیں ہم آئے کہاں سے
جو اک ساعت ہو تیرا غم میسر
تو بہتر ہے نشاطِ جاوداں سے
نگاہیں تجھ میں سب کچھ دیکھتی ہیں
مگر کچھ کہہ نہیں سکتی زباں سے
مریضِ مذہب و ملّت کے صدقے
زمیں ٹکرا رہی ہے آسماں سے
ہم عہدِ اکبری میں جب ملے تھے
زمیں پر پھول برسے آسماں سے
تکبّر کب کریں گے مضطر دو دن
زمیں اونچی ہے اپنی آسماں سے

اک خدائی اس بُتِ کافر کی شیدائی ہوئی
حلقہ پائے دو عالم اسکی انگڑائی ہوئی
ہو گیا کیوں دم بخود ناصح نصیحت کیوں نہ کی
جب نظر آئی کسی کی آنکھ شرمائی ہوئی
زندگی ہے رازِ موت اور موت رازِ زندگی
پھر بھی کس مشکل میں دونوں میں شناسائی ہوئی
جس کا دعویٰ ہو خدائی کا اسیر بت نے
خلد سے آئی زمیں پر زلف بل کھائی ہوئی

ماخذ۔ سخنستان۔ چند یادگار مشاعرے۔

مُضطر

انو کھے لال مضطر تخلص۔ ۱۰ اگست ۱۹۰۳ء کو تحصیل آنولہ ضلع بریلی

موضع سروئی میں پیدا ہوئے۔ والد ماجد کا اسم گرامی لالہ گنگا رام تھا۔ ابتدائی گھریلو تعلیم کے بعد مدرسہ عالیہ قادریہ بدایوں میں تعلیم حاصل کی۔ منشی کامل اور اعلیٰ قابلیت کے امتحانات پاس کئے۔ انٹرمیجیٹ کا امتحان بھی پاس کیا۔ ۲۲ جون ۱۹۳۷ء کو شادی ہوئی۔ اولاد میں پانچ صاحبزادے (۱) ہری شنکر (۲) پریم شنکر (۳) دیا شنکر (۴) اوما شنکر (۵) نند کشور اور ایک لڑکی لکشمی دیوی ہیں۔ یہ سب شادی شدہ ہیں مضطر صاحب ۱۹۳۹ء میں محکمہ Court of Ward میں ملازم ہوئے اور ۱۹۵۲ء میں استعفیٰ دے دیا۔ اس کے بعد سے ٹیوشن اور کھیتی باڑی ذریعہ معاش بنی ہوئی ہے۔

مضطر صاحب کی ادبی زندگی کا آغاز ۱۹۴۰ء سے ہوا۔ کچھ عرصہ لکشمی نرائن جوہر سے اصلاح لی اس کے بعد پنڈت برج موہن دتاتریا کیفی کے حلقہ تلامذہ میں شامل ہو گئے۔ دونوں اساتذہ نے آپ کا ذکر اپنے تلامذہ میں کیا ہے مضطر صاحب کو اردو فارسی سے گہرا لگاؤ ہے۔ چونکہ آپ کی تعلیم مدرسہ قادریہ میں ہوئی ہے اس لئے آپ عربی سے بھی بخوبی واقف ہیں۔ اردو سے محبت کا اظہار مضطر صاحب نے ان الفاظ میں کیا ہے ؎

مدّت سے کرتے آئے ہیں اردو کی خدمتیں
ہم کیسے مان لیں کہ ہماری زباں نہیں

یا

زبانِ ہندو مسلم ہے اردو جس کو کہتے ہیں
یہ گلشن سبز ہے دو مالیوں کی آبیاری سے

مضطر صاحب بدایوں کی ادبی محفلوں میں شریک ہوتے رہے ہیں چونکہ اب آپ کا قیام شہر سے باہر ٹیوب ویل کالونی (بدایوں) کے پاس ہے۔ اس لئے نشستوں میں شریک نہیں ہو پاتے پھر عمر کا تقاضہ بھی یہی ہے مضطر صاحب

کے پسندیدہ شاعروں میں میر انیس، میر، غالب، حسرت، جگر مراد آبادی، برق دہلوی منوّر لکھنوی ہیں۔ شرر اور سرشار کے افسانے آپ کو پسند ہیں۔ کلام پختہ، صاف اور سلجھا ہوا ہے۔ آپ نے شاعری کی جملہ اصناف میں طبع آزمائی کی ہے۔

نمونہ کلام

تمنا ہے عطا کر دے مجھے توفیق عرفاں کی
میں انساں ہوں سنبھل جاتی ہے اس سے زیست انساں کی

حقیقت میں اسی کا نام محبوبِ دو عالم ہے
کہ جس کے حسن سے قائم ہے رونق بزم امکاں کی

مجھے کیا خوف میں پروردۂ بحرِ حوادث ہوں
بلائیں لے رہی ہے میری کشتی موجِ طوفاں کی

ہر اک ذرہ میں بھر دی ہے تبسم خیز رعنائی
کوئی دیکھے تو شوخی آفتابِ جادہ ساماں کی

وفورِ رعب سے ابتک میں کچھ کہتا نہیں ورنہ
لبوں تک آچکی ہے داستاں حالِ پریشاں کی

تخیل پر اثر پڑتا نہیں زنداں میں اے منظر
نظر کے سامنے تصویر پھرتی ہے گلستاں کی

اٹھا اٹھا کے شبِ غم بٹھا دیا تو نے
ہمیں تو درد ٹھکانے لگا دیا تو نے

مزہ تو جب تھا کہ مجھ کو بھی پھونکتی اے برق
یہ کیا کیا کہ نشیمن جلا دیا تو نے

ہوا کو، خاک کو، آتش کو، آب کو لے کر
عجیب شان سے انساں بنا دیا تو نے

ترے خیال میں رہتا ہوں ہر گھڑی منظر
میں آدمی تھا مجھے غم بنا دیا تو نے

ماخذ۔ گلدستہ مشاعرہ ۱۹۴۳ء۔ بدایوں۔

منظر

چھوٹے لال گپتا نام، منظر تخلص ہے۔ آپ ۱۰ اگست ۱۹۳۶ء کو بدایوں میں گنگا رام کے یہاں پیدا ہوئے۔ آپ نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے B. A. پاس کیا اور جامعہ اردو علی گڑھ سے ادیب کامل کی سند حاصل کی۔ ۱۹۵۷ء

ہیں آپ کی شادی سیتاپور سے ہوئی۔ اولاد میں چھ لڑکیاں اور دو لڑکے ہیں۔ بڑا لڑکا ملازم ہے۔ تین لڑکیوں کی شادی کے فرض سے سبکدوش ہو چکے ہیں۔ منظر صاحب ۱۹۵۹ء میں محکمۂ تعلیم میں ملازم ہوئے۔ شروع میں پرائمری اسکول میں رہے۔ ۱۹۶۳ء سے جونیر ہائی اسکول بدایوں میں ہیڈ ماسٹر ہیں۔

منظر صاحب کی ادبی زندگی کا آغاز بھی کچھ عجیب طرح ہوا۔ آپ ۵۴-۱۹۵۳ء میں گورنمنٹ انٹر کالج میں زیرِ تعلیم تھے۔ کہ ایک روز مولانا محمد علی اشرفی شاہین صاحب (جو اس وقت کالج میں فارسی کے ٹیچر تھے) نے طلبہ سے اقبال کی مشہور نظم "لب پہ آتی ہے دعا بن کے تمنا میری" کا مطلب دریافت کیا۔ منظر صاحب نے اس نظم کا مطلب نظم میں ہی بتایا۔ جس سے شاہین صاحب بھی متاثر ہوئے۔ یہ واقعہ آپ کے ذوقِ ادب کو ابھارنے اور ترقی دینے میں نقشِ اول ثابت ہوا اور پھر شاہین صاحب کی توجہ نے شوق کو جلا بخشی۔ اس کے ساتھ ساتھ منظر بدایونی کے گھر کا ماحول بھی شاعرانہ تھا۔ آپ کے دو بڑے بھائی مضطر اور نشتر بدایونی پہلے سے شاعر تھے۔ منظر صاحب نے مشہور شاعر لکشمی نرائن جوہر کی شاگردی اختیار کی اور جوہر صاحب کی حیات تک اُن سے وابستہ رہے۔ بعد میں رونق بدایونی کے حلقۂ تلامذہ میں شامل ہو گئے۔[1]

منظر صاحب، اقبال، فانی بدایونی، داغ دہلوی اور آتش کے کلام کو پسند کرتے ہیں۔ منظر صاحب بدایوں کی ادبی محفلوں میں کثرت سے شریک ہوتے ہیں۔ اردو زبان سے آپ کو عشق ہے کلام سلجھا ہوا اور صاف ہے جو کچھ کہتے ہیں سوچ سمجھ کر کہتے ہیں۔

نمونہ کلام

اشعار نعت

پہنچ کے باغِ جناں میں تھا سلسلے شاداں ۔ سمجھ رہا تھا کہ میں آ گیا مدینے میں

---

[1] یہ واقعہ منظر صاحب نے راقم الحروف کو ایک ملاقات کے دوران بتایا۔

بہارِ دو جہاں آئے، بنا کے دوسرا آئے
نبوت جس پہ نازاں ہے وہ محبوبِ خدا آئے
کھلا ہے ساری دنیا کے لئے رحمت کا دروازہ
یہ بزمِ مصطفےٰ ہے جس کا جی چاہے چلا آئے

اشعارِ منقبت

جہانِ چشت میں پیدا وہ نام تو نے کیا
جہانِ چشت کو عالی مقام تو نے کیا
بس ایک منظرِ بیکس کو کیا زمانے کو
سہارا تو نے دیا شاد کام تو نے کیا

بہار یہ کلام

لبوں پہ ہے دم ہچکیاں آتے آتے
بڑی دیر کی مہرباں آتے آتے
نہ صیاد ہو ہم اسیروں سے برہم
کہ آئے گی طرزِ فغاں آتے آتے

جو سدا حادثوں میں پلتے ہیں
وہ زمانے کا رخ بدلتے ہیں

بادل آئے ہلکے ہلکے
بادہ کشوں کے ساغر چھلکے
منظر یہ ہے راہِ محبت
چلئے لیکن چلئے سنبھل کے

لبوں پر قوم کے نغمے دلوں میں قوم سے نفرت
حقیقت میں وہ رہزن تھے جنھیں ہم پاسباں سمجھے
عبادت کے لئے ٹھکرا دیا ہم نے محبت کو
محبت خود عبادت ہے مگر منظر کہاں سمجھے

کون سی شے میں اس کا نور نہیں
دیکھنے کا ہمیں شعور نہیں
کیوں جلاتے ہو حسرتوں کے چراغ
ان چراغوں میں کوئی نور نہیں

اپنی جانب اگر نہیں ہوتی
وہ نظر کچھ نظر نہیں ہوتی
اپنے اعمال ساتھ جاتے ہیں
کوئی شے ہم سفر نہیں ہوتی

شبِ فراق تو تاروں سے کھیل کر کاٹی　　سحر ہوئی تو ستاروں میں روشنی نہ رہی
تمہارا حسن رہے، تم رہو، زمانہ رہے　　ہماری زیست کا کیا ہے رہی رہی نہ رہی

دل کو یوں ملتی ہے لذت ترے آجانے سے　　زندگی جیسے ملے شیشے کو پیمانے سے

فصلِ گل آئی جنوں خیر ہو دیوانوں کی　　آبرو اب ترے ہاتھوں ہے گریبانوں کی

تجلیات کے دریا بہائے جاتے ہیں　　رخِ جمیل سے پردے اٹھائے جاتے ہیں
لئے تو چلتا ہے اس بزمِ ناز میں اے دل　　وہاں بلائے ہوئے بھی اٹھائے جاتے ہیں

رُخ سے پردہ وہ جب اُٹھاتے ہیں　　چاند تارے بھی منہ چھپاتے ہیں

بعد مرنے کے جہاں میں اور کیا رہ جائے گا　　چند لوگوں کی زباں پر تذکرہ رہ جائے گا
انکو جب جلوے نظر آئیں تو منظر دیکھنا　　ایک ہی منظر نظر میں گھومتا رہ جائے گا

موجؔ

رام سروپ نگم نام موجؔ تخلص تھا۔ والد کا نام منشی شیو نرائن نگم تھا۔ موجؔ محلہ پٹیالی سرائے بدایوں میں رہتے تھے۔ مزاحیہ شعر کہتے تھے باوجود تلاش ایک شعر مل سکا۔

سنتے ہیں آج موجؔ کا چالان ہو گیا
بھٹی سے لے کے بھاگا تھا بوتل شراب کی

مہر

نرائن پرشاد ورما نام، مہر تخلص تھا۔ آپ ۱۸۶۸ء میں سلی گڑھ ریاست گوالیار میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد منشی کنھیالال دہلی سے سہاور اور وہاں سے سہسوان ضلع بدایوں میں آباد ہو گئے تھے۔ آپ سہسوان کے محلہ اکبر آباد میں رہتے تھے۔ مہر کی پیدائش کے وقت آپ کے والد سلی گڑھ میں ملازم تھے۔ ابتدائی تعلیم زمانے اور خاندانی رواج کے مطابق عربی و فارسی میں ہوئی۔ انگریزی تعلیم بریلی میں اپنی ننھیال میں رہ کر حاصل کی۔ الہ آباد بورڈ سے ہائی اسکول کا امتحان فرسٹ ڈویژن میں پاس کیا۔ اس کے بعد اسکولی تعلیم کا سلسلہ دردِ شقیقہ کا عارضہ ہو جانے کی وجہ سے منقطع کرنا پڑا۔ لیکن آپ کے ذوقِ کتب بینی نے آپ کی علمی قابلیت کو چار چاند لگا دیئے۔ آپ کو فنِ خطاطی سے بھی شغف تھا۔ اس کے لئے آپ نے منشی عبدالعزیز سہسوانی و دیگر خوشنویسوں سے خط نسخ نستعلیق، ریحان، گلزار، ماہی، غبار وغیرہ کی مشق کی۔ آپ کو تصویر کشی اور موسیقی سے بھی لگاؤ تھا۔ ملازمت کا سلسلہ ۳۱ دسمبر ۱۸۹۲ء سے شروع ہوا۔ آپ کا تقرر انگلش مڈل اسکول گوالیار میں ہیڈ ماسٹر کی جگہ پر ہوا۔ بعد میں ہائی اسکول چھاونی مرار میں سکنڈ ماسٹر رہے۔ مہر صاحب کافی عرصہ تک دفتر انسپکٹر جنرل محکمہ تعلیم و پولٹیکل ڈیپارٹمنٹ میں رہے۔ وکٹوریہ ہائی اسکول لشکر میں بھی آپ سولہ، سترہ سال تھرڈ ماسٹر رہے۔ اس کے بعد کمشنر مردم شماری کے پرسنل اسسٹنٹ بھی رہے۔ ۱۹۳۵ء میں ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔ مہر صاحب کی دو شادیاں ہوئیں۔ پہلی بیوی سے تین لڑکے ہوئے جن میں ڈاکٹر منوہر سہائے انور (ف ۱۹۷۶ء) بھی شامل تھے۔ پہلی بیوی کے انتقال کے بعد دوسری شادی سہسوان سے ہوئی۔ جن سے تین لڑکے اور ایک لڑکی ہوئی۔

۲۶ جولائی ۱۹۴۳ء کو امراضِ قلب میں کافی عرصے بیمار رہ کر وفات پائی
مہر کو ۱۶-۱۷ سال کی عمر سے ہی شعر و شاعری سے لگاؤ تھا۔ آپ کے اس ذوق
کو پروان چڑھانے میں منشی ضیاء النبی خاں ضیاء، و دیگر اہلِ سخن کی صحبتیں معاون
ثابت ہوئیں۔ آپ ضیاء صاحب کی سفارش سے ہی داغ کے حلقہ تلامذہ میں
شامل ہوئے۔ داغ دہلوی نے ہی آپ کا تخلص مہر رکھا۔ اُستاد کی توجہ اور آپ
کی محنت سے جلد ہی آپ کا شمار اساتذہ میں ہونے لگا۔ مہر مشاعروں کے بھی
مقبول شاعر تھے۔ آپ کی مطبوعہ کتابوں میں شعری مجموعوں کے علاوہ نثر کی
کتابیں بھی ہیں۔

شعری مجموعہ ۔ ترانۂ مہر، زمزمۂ مہر، نغمۂ مہر، اور شعاعِ مہر
نثری کتب ۔ سفید جوگن (ناول) رہبرِ مضمون نگاری

مہر کو اُن کی ادبی خدمات کے سلسلے میں عمدۃ الشعراء، تاثر الملک ۔
افضل الشعراء کے خطابات اور تمغوں سے بھی نوازا گیا۔ آپ کے کلام کی سب
سے بڑی خوبی یہ ہے کہ جن محاسن شعری سے شعر میں لطافت، دل آویزی اور
دل نشینی پیدا ہوتی ہے۔ مثلاً الفاظ کی موزونیت، بندش کی چستی، جدت طرزادا
تشبیہہ و استعارہ فصاحت و بلاغت وہ سب آپ کے یہاں پائے جاتے ہیں
اور آپ کے کلام میں استاد داغ کا رنگ نمایاں ہے۔

نمونہ کلام

وہ مراسم بھی تمہیں یاد ہیں یا بھول گئے — کبھی مہماں مجھے کرنا کبھی مہماں ہونا
میں پشیمان ہوا اس کی پشیمانی سے — مجھ سے دیکھا نہ گیا اس کا پشیماں ہونا
کسی صورت سے نظر وحشت کی صورت آئے — اپنے گھر کا مجھے منظور ہے ویراں ہونا

ابھی کچھ اور پروانے گلے ملنے کو باقی ہیں — ذرا تھمنا ابھی رخصت نہ اے شمعِ سحر ہونا

اُن کی فریاد کو یوں حشر میں جانا ہوگا
آگے میں ہوں گا مرے پیچھے زمانہ ہوگا

نگۂ ناز ادھر آ تجھے دل میں رکھ لوں
اور دنیا میں کہاں تیرا ٹھکانہ ہوگا

کہنے کو تو ہیں آپ کی آنکھیں بہت اچھی
ان آنکھوں کا بیمار ہی دیکھا جسے دیکھا

ایمان بچا لیتے ہیں حوروں سے یہ کیونکر
جنّت میں تو دیندار ہی دیکھا جسے دیکھا

اب مہر عدو بھی ہیں سخن داغ کے قائل
ایسا کبھی کوئی ہم نے سخنداں نہیں دیکھا

اللہ رے مہر آپ کی جادو بیانیاں
جو شعر کہہ دیا وہی دیوان ہو گیا

پوچھ کر اس لئے ہم پر وہ جفا کرتے ہیں
لوگ جانیں کہ یہ اُن کا ہی کہا کرتے ہیں

جو ستم سہہ کے کبھی ہر وقت وفا کرتے ہیں
آپ کرتے ہیں جفا اُن پہ یہ کیا کرتے ہیں

اُن سے کیا بحث ہے بخشے کہ نہ بخشے کوئی
ہم خطا وارِ محبت ہیں خطا کرتے ہیں

بُت ہوئے تیغ ہوئی چرخِ ستم گار ہوا
یہ کسی سے بھی زمانے میں وفا کرتے ہیں

گری بعدِ اسیری چرخ سے کیوں ٹوٹ کر بجلی
کوئی پر رہ گیا تھا کیا مرے شاخِ نشیمن میں

ہمارا دل ہمیں دے دو یہ اچھی سینہ زوری ہے
کسی کا مال جب مٹھی میں آیا تم دبا بیٹھے

عدو سے لے کے انگڑائی کہا میرے جلانے کو
ہم اب سونے کو جاتے ہیں جسے ہو بیٹھنا بیٹھے

فراق میں ہم فغاں کریں گے فغاں نہ ہوگی دعا کریں گے
جو یہ نہ ہوگی تو وہ کریں گے جو وہ نہ ہوگی تو کیا کرینگے

ماخذ ۔ تذکرہ شعرائے اتر پردیش

ناداںؔ

نام مہیش سروپ، تخلص ناداںؔ ہے۔ آپ ۶ مارچ ۱۹۰۷ء کو منشی نرہر سروپ کے یہاں گنور ضلع بدایوں میں پیدا ہوئے۔ والدین کا سایہ عہدِ طفلی میں ہی اٹھ گیا پرورش کے فرائض آپ کے تاؤ منشی ہرہر سروپ نے انجام دیئے۔ بعدازاں۔ آپ کے بڑے بھائی منشی جگدیشور سروپ سکسینہ مختار عدالتہائے مال و فوجداری نے یہ ذمہ داری سنبھالی۔ ابتدائی تعلیم کے بعد گورنمنٹ ہائی اسکول بدایوں (جو اب انٹر کالج ہے) سے ہائی اسکول کا امتحان پاس کیا۔ شیام سندر میموریل انٹر کالج سے کامرشل ڈپلومہ ۱۹۲۶ء میں لیا۔ ۱۹۲۹ء میں سناتن دھرم کالج آف کامرس کانپور سے .B. Com کا امتحان پاس کیا۔ بی۔ کام کے امتحان میں شریک ہونے سے پہلے ہی آپ جون ۱۹۲۸ء میں اگریکلچر کالج کانپور میں ملازم ہو گئے یہاں ۱۹۳۰ء تک رہے۔ جون ۱۹۳۱ء سے دسمبر ۱۹۳۸ء تک آگرہ یونیورسٹی آگرہ کے دفتر میں بحیثیت ڈپارٹمنٹ امتحانات رہے۔ جنوری ۱۹۳۹ء سے ۵ مارچ ۱۹۶۲ء تک دفتر پبلک سروس کمیشن یو۔پی الہ آباد میں بحیثیت پرسنل اسسٹنٹ ٹو چیرمین ملازم رہے۔ وہاں سے رٹائر ہونے کے فوراً بعد ۶ مارچ ۱۹۶۲ء سے برٹش انڈیا کارپوریشن لمیٹڈ کانپور میں بحیثیت پرسنل اسسٹنٹ ٹو مینیجنگ ڈائریکٹر تقرر ہو گیا۔ وہاں سے جون ۱۹۶۸ء میں سبکدوش ہوئے اور جولائی ۱۹۶۸ء سے ۱۹۷۶ء تک جے کے سنتھیٹکس لمیٹڈ کانپور میں بحیثیت پرسنل اسسٹینٹ ٹو امپورٹ آفیسر رہ کر خود ہی استعفٰی دے دیا۔ اس طرح آپ نے ۴۸ سال مختلف جگہ ملازمت کی۔

اولاد میں دو صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں ہیں۔ دونوں صاحبزادے امریکہ میں ملازم ہیں اور وہیں کی سکونت حاصل کر لی ہے۔ لڑکیوں کی شادی

کے فرض سے بھی سبکدوش ہو چکے ہیں

شاعری کا شوق تعلیم کے زمانے سے ہی تھا۔ لیکن اس شوق کو جلا الہ آباد میں ملی۔ اسی نسبت سے آپ اپنے تخلص کے ساتھ الہ آبادی لکھتے ہیں۔ شرفِ تلمذ منشی مہیش پرشاد ورما سوگ الہ آبادی سے حاصل ہے۔ ناداں صاحب استاد کا بہت احترام کرتے ہیں۔ ایک قطعہ میں اس کا اظہار اس طرح کیا ہے

مجھ کو کہتے ہوئے مسرت ہے
یہ حقیقت ہے یہ حقیقت ہے
شاعروں میں شمار ناداں کا
حضرتِ سوگ کی بدولت ہے

ناداں صاحب کا شعری مجموعہ "سوغاتِ ناداں" ۱۹۷۴ء میں اسرار کریمی۔ پریس الہ آباد سے شائع ہو چکا ہے۔ اس مجموعہ میں آپ کی ایک سو ایک منتخب غزلیں ہیں۔ سوغاتِ ناداں" ہندی رسم الخط میں بھی شائع ہو چکا ہے۔ ناداں صاحب آج کل دوسرا شعری مجموعہ ترتیب دے رہے ہیں۔ جو یقیناً بہت ضخیم ہوگا

ناداں صاحب اپنے استاد سوگ الہ آبادی کے جانشین بھی ہے۔ آپ کے کلام میں شاعرانہ محاسن، زبان کی سادگی و سلاست، بندش کی چستی، زبان و بیان کی خوبیاں ہیں۔ آپ نئی ردیفوں کا انتخاب بھی خوب کرتے ہیں۔

نمونہ کلام

دلاتے ہیں وہی تو یاد جو پاؤں کے چھالے ہیں
جنونِ عشق میں کتنے بیاباں چھان ڈالے ہیں

مرے ان موتیوں کی قدر و قیمت آپ کیا سمجھیں
بڑی مشکل سے آنکھیں مل کے جو آنسو نکالے ہیں

لہ آپ نوح ناروی کے شاگرد تھے۔

ہمارا کچھ نہیں دنیا میں جس کو ساتھ لے جائیں
تری سب کائناتیں اے خدا تیرے حوالے ہیں

فرقت کے صدمات اٹھائیں کبتک آخر آخر کبتک
آنکھوں سے ہم اشک بہائیں کبتک آخر آخر کبتک
صحن چمن میں بن کے رہے گا اپنا بھی اک روز نشیمن
چلتی رہیں گی تند ہوائیں کبتک آخر آخر کبتک
بخشی ہیں مالک نے ابتک ساری خطائیں میری لیکن
بخشے گا وہ میری خطائیں کبتک آخر آخر کبتک

زباں رکھتے ہوئے بھی دہر میں جو بے زباں ہوگا
خدا ہی جانے اس کا رازِ دل کتنا گراں ہوگا
تعجب کیا نکلتی ہیں اگر آہیں مرے دل سے
لگے گی آگ جب گھر میں تو لازم ہے دھواں ہوگا
کبھی کیا ختم ہوگا میرا اُن کا عمر بھر جھگڑا
یہاں ہوگا وہاں ہوگا ملیں گے وہ جہاں ہوگا

پلانا ہے اگر ساقی تو پھر اتنی پلا مجھکو
نہ بھولیں میکدے کو ہم نہ بھولے میکدہ ہم کو
پرائے تو پرائے ہیں مگر اپنوں سے پیارا اچھے
کہ اپنوں نے دیا ہے جب کبھی دھوکا دیا ہم کو
یہ تم جانو یہ تم سمجھو غلط ہے یا صحیح لیکن
زمانہ بے وفا کہتا ہے تم کو باوفا ہم کو

آخر کو تو نے کر ہی دیا رازِ دل عیاں
اب تیرا اعتبار بھی اے چشم تر گیا

کسی سے حالِ دل اپنا نہیں کہتے ہم اِس ڈر سے
کہ سُنتے سنتے اس کی آنکھ بھر آئی تو کیا ہوگا

ماخذ۔ نغمہ ناقوس ۱۹۸۵ء سوغاتِ ناداں

ناہید

اروناہینسن نام اور ناہید تخلص ہے۔ بدایوں مقام پیدائش ہے۔ آپ کے بڑے بھائی نصیب بھی اپنے زمانے کے اچھے شاعر تھے۔ ناہید صاحبہ ایک عرصے سے دہلی میں مقیم ہیں۔ آپ کا کلام صاف اور سُلجھا ہوا ہے

نمونہ کلام

گھر میں تسکین تھی نہ صحرا میں اماں تھی پہلے
زندگی دوشِ جنوں پر بھی گراں تھی پہلے

میری خاموشی بھی دنیا سے کبھی گویا تھی
بے زبانی ہی کبھی اپنی زباں تھی پہلے

اب تو اک نغمۂ خودداریٔ غم ہے پیہم
لب پہ میرے جو کبھی آہ وفغاں تھی پہلے

فیصلہ جب کیا جینے کا قضا بھی آئی
کوئی ظالم ہے یہ پوچھے تو کہاں تھی پہلے

حسن کو ناز تھا گر شعلہ رخی پر اپنی
عشق کی زندگی بھی شعلہ بجاں تھی پہلے

بزمِ گل میں نہیں سوسن تو چمن سونا ہے
وہ زباں ہائے جو گلشن کی زباں تھی پہلے

آکے دلّی میں خدا جانے یہ گمنامی کیوں؟
ورنہ ناہید یہی ہیچمداں تھی پہلے

ماخذ۔ اسکندرنامہ گل و گوہر

ستیش چندر ورما نام نشتر تخلص ۔ ۱۰ر دسمبر ۱۹۲۵ء کو محلہ پٹیالی سرائے بدایوں میں پیدا ہوئے ۔ آپ کے والد شری کندن لال ورما (ف ۲۸ر فروری ۱۹۶۵ء) منصرم ججس کورٹ تھے ۔ نشتر صاحب نے ۴۴-۱۹۴۳ء میں گورنمنٹ ہائی اسکول بدایوں سے ہائی اسکول کا امتحان پاس کیا ۔ ۱۹۴۷ء سے ۳۰ر جون ۱۹۸۵ء تک محکمۂ ڈاک میں ملازم رہے ۔ جنوری ۱۹۵۱ء میں بریلی سے شادی ہوئی ۔

شعروشاعری کا ذوق بچپن سے ہی تھا ۔ لیکن ۱۹۵۲ء سے باقاعدہ اس طرف متوجہ ہوئے ۔ ابتدائی دور میں حکیم لکشمی نرائن جوہر (ف ۱۹۶۳ء) سے اصلاح لی ۔ اس کے بعد جوش[1] بدایونی سے اصلاح لی ۔ جوش ملیح آبادی، جوش ملسیانی اور قمر بدایونی آپ کے پسندیدہ شاعروں میں ہیں ۔ نشتر صاحب کی پسندیدہ صنفِ سخن غزل ہے ۔ کلام میں شاعرانہ رکھ رکھاؤ کے ساتھ ساتھ زبان کی سادگی وصفائی بیان کی روانی کی خوبیاں موجود ہیں ۔ نشتر صاحب پہلے مشاعروں میں شرکت فرماتے تھے اب نہیں جاتے ۔

نمونۂ کلام

صبح دم اے پھول ہنس ہنس کر نہ لے انگڑائیاں

شام تک ہو جائیں گی رخصت تری رعنائیاں

وہ ابھی تک عشق کی منزل سے گزرے ہی نہیں

جو مری حالت پہ کرتے ہیں قیاس آرائیاں

وہ نہ آئیں تو تصور کو بھی اپنے روک لیں

حسن سے بہتر نہیں ہیں حسن کی پرچھائیاں

---

[1] جوش بدایونی کے حالات صفحہ ۵۳ پر ملاحظہ کریں

جلتے جلتے دل سے جاتا ہی رہا اُن کا خیال
آتے آتے راس آخر آ گئیں تنہائیاں
جیتے جی خوشبو محبت کی نہ جی سے جائے گی
ہیں معطر اِس سے نشتر روح کی گہرائیاں

ہم نے بھی انتظار میں کاٹی ہے زندگی — اب اُن کو انتظار اگر ہے تو کیا ہوا
میں اور حرفِ مطلب مجھ سے تو کیا نکلتا — ٹوٹی ہوئی امیدیں کچھ دے گئیں سہارا

جلتے لہو کے چھینٹے ہیں اُن کی آستیں پر — چمکیں گے چاند بن کر سب حشر کی زمیں پر

وفا پہ شک ہے محبت پہ اعتبار نہیں — تم ہی کہو یہ ستم کس کو ناگوار نہیں
مرا خلوص تو تبدیل ہو نہیں سکتا — ہزار بار ستم ڈھاؤ ایک بار نہیں

چلتی ہیں ہر روش پہ ہوائیں نئی نئی — غنچے بدل رہے ہیں قبائیں نئی نئی
دھڑکن نہیں ہے دل کی تو نشتر شبِ فراق — آتی ہیں یہ کہاں سے صدائیں نئی نئی

غم بھی جینے کی ایک صورت ہے — عمر غم کی دراز نہ ہو جائے
دل میں نشتر وہ درد پیدا کر — بڑھ کے جو چارہ ساز ہو جائے

کون کہتا ہے کہ شیطان سے ڈر لگتا ہے — اب تو اس دور کے انسان سے ڈر لگتا ہے
اُٹھ بھی جاتے ہیں کبھی امن پسندوں کے قدم — یوں تو ہر جنگ کے اعلان سے ڈر لگتا ہے

آنا ہی پڑے گا تمہیں آنا ہی پڑے گا
بے لوث محبت نے تمہیں یاد کیا ہے

حریم دل میں ہے خلوت ہی خلوت
چلے آؤ یہاں کوئی نہیں ہے
بظاہر شادماں ہے ساری دنیا
بباطن شادماں کوئی نہیں ہے

نشتی

گھنشیام سکسینہ نام، نشتی تخلص۔ والد کا نام منشی اشرفی لال سکسینہ تاریخ پیدائش ۱۵ جون ۱۹۵۷ء علی پور ضلع بدایوں ہے۔ ابتدائی تعلیم علی پور میں حاصل کی۔ آپ ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی ہیں۔

آپ اردو رسم الخط سے ناواقف ہوتے ہوئے بھی اردو کے نوجوان شاعر ہیں۔ ۱۹۷۴ء سے شاعری کے میدان میں فن کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ پہلا شعر ملاحظہ فرمائیں:-

میری تقدیر ہے ٹوٹے ہوئے شیشے کی طرح
کاش! شیشے میں ترا عکس بھی آیا ہوتا

نشتی کا کلام اکثر ہندی اخبارات کی زینت بنتا ہے۔ آپ آکاش وانی رام پور سے بھی اپنا کلام پیش کر چکے ہیں۔ اپنی خود نوشت سوانح عمری ان الفاظ میں نشتی نے پیش کی ہے۔

درد کی صلیب پر ٹنگا ہوں میں
میرا عشق میرا نصیب
میرا نصیب میری شاعری

دونوں اس انتظار میں

کہ میں باغی قرار دیا جاؤں یا پیغمبر

نشی صاحب کے کلام میں اظہار کی سادگی متاثر کرتی ہے۔ اُن کی غزلوں میں زمانے کی دھڑکنیں صاف سنائی دیتی ہیں۔ ہندی الفاظ کا جابجا برجستہ استعمال زبان و بیان میں ایک گنگا جمنی رنگ پیدا کر دیتا ہے۔

نمونہ کلام

دن بھر جلتا سورج ہم پر کیسے کیسے ظلم کرے

گرمی کی راتوں میں ٹھنڈک برساتا برفیلا چاند

جانے کن جنموں کا دکھ ہے جانے کن پاپوں کا پھل

پھاگن کی پورن ماشی کو لگتا ہے زہریلا چاند

ساتھ تمہارا جب سے چھوٹا ہم نے ایسے منظر دیکھے

سونی سڑکیں گم صُم چڑیاں سوکھے پتّے پیلا چاند

میں سمجھوں شیشے سے نازک پھولوں سا کومل ہے نشی

لیکن جو چھو کر آئے ہیں کہتے ہیں پتھریلا چاند

آنسوؤں کو پوچھ کر یادوں کے منظر پھینک دو

گھر کی دیواروں پہ یہ لٹکے کلینڈر پھینک دو

ہر گلی سوکھے شجر ہیں ہر مکاں بارود گھر

تیلیاں ماچس کی سب پانی کے اندر پھینک دو

ایک دن مجھ سے بھی کہہ دیں گے یہ گھر کے نوجوان

گھر کے اک کونے میں اس بوڑھے کا بستر پھینک دو

منزل سے گزر کر آئے ہیں — راستے کی تکان باقی ہے
میری قسمیں ہیں ان کے وعدے ہیں — عشق کا امتحان باقی ہے
اک نہ اک دن نشتیؔ وہ آئے گا — آج تک یہ گمان باقی ہے

یوں تجھے زندگی بنایا ہے — جیسے پیڑوں کے ساتھ سایا ہے
صبح سے ہچکیاں نہیں تھمتیں — جانے کس کو خیال آیا ہے
روٹھ جانا ہے شام ڈھلتے ہی — کتنا مغرور میرا سایا ہے
وقت کی تیز آندھیوں میں نشتیؔ
کون جلتے چراغ لایا ہے

نصیب

نام ای۔ ایس۔ ہنسن اور تخلص نصیبؔ تھا نصیب صاحب۔ اپنے خود نوشت[1] حالات میں رقمطراز ہے

"والد بزرگوار بہ سلسلہ ملازمت ۱۹۱۷ء میں اودھ سے بدایوں تشریف لائے اور یہیں مستقل سکونت اختیار کر کے ۱۹۴۳ء میں انتقال فرمایا۔ اب بدایوں ہمارا وطن ہے اور ہمیں اس پر ناز ہے۔ میری ابتدائی تعلیم بدایوں ہی میں ہوئی اور باقی تعلیم لکھنؤ میں جہاں سے میں نے فلسفہ میں ایم۔ اے کی ڈگری حاصل کی۔ مطالعہ الہیات کے لئے مجھے ۱۹۳۲ء میں صوبے کے باہر بھی جانا پڑا تھا

---

[1] اسلامیہ کالج میگزین [illegible]

اب مستقل قیام بدایوں ہی میں ہے۔ ہر چند کہ میں گوشہ نشین انسان نہیں ہوں مگر ادبی اعتبار سے مجھے گوشہ نشین ہی سمجھنا چاہیئے ایسا کیوں ہے میں خود نہیں جانتا۔ غالباً اس کی وجہ میری ادبی بے مائیگی ہے

میں نہیں کہہ سکتا کہ ادب بالخصوص اردو ادب وزبان سے مجھے کب اور کیونکر عشق پیدا ہوا جب میں نے ہوش سنبھالا تو واللہ خود کو اردو میں شعر کہتے پایا۔ کالج پہنچ کر میری اردو شاعری تو ختم ہوگئی مگر ادبی ذوق ترقی کرتا رہا۔۔۔۔۔۔ اب میں ادب بالخصوص شاعرانہ ادب کو انسان کی عظیم ترین تخلیق اور اس کی زندگی کا حاصل سمجھتا ہوں۔ اپنی اردو شاعری کا دورِ اول جو ۱۹۳۰ء تک ختم ہو چکا میں نے متعدد اصنافِ سخن میں کاوشیں کیں۔ دوسرا دور بیس۲۰ سال کی خاموشی کے بعد ۱۹۵۰ء میں شروع ہو کر صرف ایک سال تک جاری رہا۔ جس میں میں نے فقط چند غزلیں اور دو چار مختصر نظمیں لکھیں۔۔۔۔۔۔ یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ میرے دوسرے دور کا آغاز جناب ظفریاب حسین جام نوائی بدایونی کے اصرار سے ہوا تھا۔"

آپ کا انتقال دہلی میں ہوا۔

نمونہ کلام

عینِ جمالِ دوست ہوا میرا ذوقِ دید　　　آئینے سے غبارِ نظر دور ہو گیا

آغاز کی خبر نہ تصورِ مآل کا !　　　دیوانہ ایک صدقہ ہے تیرے جمال کا

جلوہ طلسم ہوش ہے ایمان عشق میں　　　کفر حرم نہ ہو کہیں پردہ جمال کا

مر کے بھی رہ گیا غم انجام عشق کا　　یعنی مآل حسن کا معلوم ہو گیا

نصیب غور سے دیکھا تو شکلِ انساں ہیں
خدا تو مل بھی گیا بندۂ خدا نہ ملا

کہنے دیتا نہیں کچھ منہ سے مرا پاسِ وفا　　پوچھتا ہے جو کوئی حال تو رو دیتا ہوں

دل نے دردِ عشق سے پوچھا　　اور کچھ اس سوغات سے آگے

اٹھ گیا محفل سے وہ افسون جلوہ چھوڑ کر　　اہلِ محفل سوچتے ہیں وہ ابھی محفل میں ہے

دوام کائنات عشق کی یہ خاک ضامن ہے
صدائے کن فکاں آتی ہے دیوانے کی تربت سے

طور کا ناتمام سا جلوہ　　کاش مجھ پر تمام ہو جائے

نگار

اسم گرامی شیو راج چندر سکسینہ تخلص نگارؔ ہے۔ تاریخ پیدائش دسمبر ۱۹۳۰ء ہے۔ والد کا نام منشی رام سروپ سکسینہ تھا۔ آپ کے بزرگوں کا وطن عثمان پور تحصیل سہسوان ہے۔ نگار بی۔ اے پاس ہیں۔ شروع میں کسی اسکول میں مدرس رہے

بعد میں محکمۂ ڈاک تار میں ملازم ہو گئے۔ آج کل ہردوئی ڈاکخانہ میں سپرنٹنڈنٹ ہیں۔ شاعری کا شوق اوائل عمر سے ہے۔ حکیم لکشمی نرائن جوہر (ف ۱۹۶۳ء) کے شاگرد ہیں۔ نگار صاحب اچھا کہتے ہیں۔

نمونہ کلام

ہمیں سے عظمتِ مے ہے ہمیں سے وجہِ سرمستی
نہ ہونگے ہم تو میخانے میں رقصِ جام کیا ہوگا

تمہیں سے پوچھتا ہوں اے بہار آسودہ دیوانو
کہ پیغامِ بہار اہلِ جنوں کے نام کیا ہوگا

میں تم سے وعدۂ ترکِ محبت کر تو سکتا ہوں
مگر جب لب پہ آئے گا تمہارا نام کیا ہوگا

ماخذ۔ ماہنامہ "پروانہ" بدایوں جون ۱۹۶۱ء

نمک

پنڈت رام جی مل نام نمک تخلص تھا۔ والد کا اسم گرامی پنڈت چنی لال تھا۔ آپ محلہ کوچہ پانڈے کے رہنے والے تھے۔ آپ کی زمینداری مجھیا اور گلڑھیا میں تھی۔ آپ کے تین بھائی مدن لال، دوارکا پرشاد اور دین دیال شریر تھے۔ نمک کے ایک صاحبزادے کنہیا لال اور دو لڑکیاں تھیں۔ آپ کے خاندان کے کچھ لوگ باہر ملازم ہیں۔

نمک آریہ سماج اور براہمن سبھا کے پردھان تھے۔ ۱۹۰۳ء میں آپ نے گرکل کے لئے سورج کنڈ کے پاس اپنا چودہ بیگھا کا باغ جس میں کنواں بھی تھا دیا تھا۔ ابتدا میں آپ نے اپنے خاندان کے لوگوں کو وہاں داخل کیا۔ نمک تاحیات گرکل کے منیجر رہے۔ آپ کے دو واسوخت ۱۲۹۰ھ ۱۸۷۳ء[1] اور ۱۳۰۴ھ ۱۸۸۶ء[2] میں شائع ہوئے۔ آپ

---

[1] یہ واسوخت مطبع خورشید ہند مرادآباد میں چھپا تھا۔ ڈاکٹر ارملیش نے "بدایوں اسمارکا" میں اس واسوخت کا طباعت کا سال ۱۸۷۵ء لکھا ہے جو غلط ہے۔ اسی مضمون میں ڈاکٹر صاحب نے نمک کو مجھیا کا رہنے والا لکھا ہے۔ یہ بھی غلط ہے، وہاں آپ کی زمینداری تھی۔

[2] یہ منشی نولکشور پریس لکھنؤ میں طبع ہوا

کا انتقال ۱۹۰۵ء میں ہوا۔

نمونہ کلام

ہائے پہلو سے آج وہ بھی گیا ‎ ‎ دل جو کچھ دل لگی کا تھا باعث
جان و دل صبر و ہوش کھونے کا ‎ ‎ پوچھ مجھ سے نہ واعظا باعث

"واسوخت نگ" سے ۔ محبت میں گرفتار ہونے سے پہلے کے حالات ملاحظہ
پہلے اس عشق سے کچھ مجھ کو سروکار نہ تھا ‎ ‎ کسی گُل رُو کی محبت میں گرفتار نہ
دل کسی یوسفِ ثانی کا خریدار نہ تھا ‎ ‎ چاہ کی چاہ نہ تھی گرم یہ بازار نہ
عیش و آرام سے دن رات بسر کرتا تھا
کسی مہوش کی طرف میں نہ نظر کرتا تھا

دل مرا نام سے اس عشق کے گھبراتا تھا ‎ ‎ کوئی الفت کا فسانہ نہ مجھے بھاتا
سیرِ گلزار کو ہر روز نہ یوں جاتا تھا ‎ ‎ لب جُو پر نہ کبھی نالہ کناں آتا
یادِ گیسو میں کسی کی نہ پریشاں دل تھا
نہ کسی ابروئے خمدار پہ جی مائل تھا

اسیرِ محبت ہونے پر تاثرات کچھ اس طرح ہو جاتے ہیں۔
میں ہوں بے ہوش مرے پاس سے اب اُٹھ جاؤ ‎ ‎ بھول کر بھی نہ کبھی پاس مرے تم
ہوتا سمجھانے سے کیا ہے نہ مجھے سمجھاؤ ‎ ‎ کہیں دیوانے سمجھتے ہیں بھلا بت
سر پہ جب عشق لیا عزت و ذلت پھر کیا
پاؤں اس رہ میں رکھا جب تو مصیبت پھر کیا

ایک مرتبہ شام کو ٹہل کر واپس آتے ہوئے شاعر کی نگہ ایک رخِ رو
پر پڑ جاتی ہے جو بام پر جلوہ کناں تھا۔ بس اس کی محبت میں گرفتار ہو جاتا
اس کے حسن کی تعریف میں چند بند ملاحظہ کریں۔
چبھ گئی دل میں مرے اس کی وہ ترچھی چتون ‎ ‎ ڈس گئی دل کو مرے زلفِ سیہ کی نا

بے صبر و قرار اس کی ادا اور بچپن　　کھنچ گئی سینہ پہ تصویر بت غنچہ دہن

حال اپنا ہوا عشق بتا پیر میں وہ ۔

نہ تو تحریر میں آتا ہے نہ تقریر میں وہ

جب وہ پیکرِ حسن کافی عرصے تک نظر نہیں آئی تو مجبور ہو کر اُسے ایک خط لکھتے ہیں اور اس طرح خطاب کرتے ہیں ۔

ور و ستم موردِ صد جور و جفا　　دلبر زہرہ جبیں ماہ وش و مہر ضیا

ب حسن و ادا باعثِ صبرِ دلہا　　رشکِ خوبانِ جہاں غیرتِ گل حور لقا

صد و سی سال رکھے تجھ کو سلامت اللہ

حسن افزوں ہو ترا تا بہ قیامت اللہ

ہاتھ پہ چھلے ہے اب غم سے کلیجہ میرا　　چارہ ناچار میں کچھ حال ہوں اپنا لکھتا

سے روتا ہوں میں اُٹھ اُٹھ کے اب آنسو نکلا　　کس کشمکش و پیچ میں اللہ نے مجھ کو ڈالا

اگر اس ہفتے میں تم سے نہ ملاقات ہوئی

تو سمجھ لیجو کہ ضائع مری اوقات ہوئی

م کہتا ہے کہ چل صبر یہ کہتا ہے کہ بس　　عشق کہتا ہے کہ اُٹھ عقل گھٹاتی ہے ہوس

دل کو تردد ہے نہیں چلتا بس　　یاد آتا ہے یہی ذوق کا مطلع زیں پس

یہ اقامت ہمیں پیغام سفر دیتی ہے

زندگی موت کے آنے کی خبر دیتی ہے

ادھر یہ خط قاصد کے ذریعہ بھیجتے ہیں اور ادھر سے نامہ بر خود بخود اس کا تا ہے اور اسی دوران وہ بھی وہاں آ جاتی ہے ۔ دونوں میں قریبی تعلقات تے ہیں یہاں تک کہ

جاتے تھے کبھی کھانے کو گلشن کی ہوا　　سیر مہتاب کبھی کرتے تھے سیر دریا

شطرنج کبھی گنجفہ چوسر چھکا　　ساتھ ہی نشہ پیا ساتھ ہی کھانا کھایا

اُس پہ تھا عشق ہمیشہ سے جو صادق میرا
تھا تو معشوق مگر ہو گیا عاشق میرا

شاعر محبوب کو سمجھانے کی کوشش کرتا ہے۔

دیکھ اس حال کو آیا مری خاطر کو ملال | اس کو سمجھایا کہ اے جاں ہے کہاں تیرا خیال
ان ہوس بازوں سے تو کرنا ملاقات کمال | تیرا میں عاشقِ صادق ہوں مرا دیکھ تو حال

جب کہا یہ تو مری بات اُسے خار ہوئی
خوب دل کھول کے رنجش ہوئی تکرار ہوئی

پھر کہا میں نے کہ اے قوتِ جاں راحتِ دل | چاہیئے تجھکو سوا میرے نہ تو غیر سے مل
رشک ہے مجھ پہ گراں چھاتی پہ چیوں کی ہو سِل | بُری صحبت سے حذر کرتے ہیں جو ہیں عاقل

ہمسری غیر کرے گا میری کیا غیرتِ ماہ
چاہ آساں ہے مگر چاہ کا مشکل ہے نباہ

ماخذ۔ تجلیات سخن، واسوخت نمک۔

وحشی

مشہور دیال سکسینہ نام وحشی تخلص۔ یکم فروری ۱۹۲۱ء کو زمیندار گھرانے کے فرد منشی سوہن لال کے یہاں سید پور ضلع بدایوں میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی۔ سید پور کے مڈل اسکول سے اردو، ہندی ورناکیولر (مڈل) امتحانات پاس کئے۔ ۱۹۴۲ء میں قصبہ بسولی سے انٹرینس کا امتحان پاس کیا۔ اسی دوران آپ "انگریزو بھارت چھوڑو" تحریک میں شامل ہو گئے۔ پہلی مرتبہ ۷ نومبر ۱۹۴۲ء کو بدایوں جیل میں نظر بند کر دیئے گئے۔ یہاں سے چھوٹنے کے بعد گورنمنٹ آرڈیننس فیکٹری مراد نگر میں الیکٹرک ڈپارٹمنٹ میں ملازمت کر لی۔ اس جگہ دو سال ملازمت

کرنے کے بعد لاہور، کلکتہ، چٹگاؤں کی متعدد فیکٹریوں میں کام کیا۔ اسی دوران آپ کی شادی کردی گئی۔ آپ نے ۱۹۵۸ء تک ایس۔ آر۔ جی اینڈ پی الیکٹرک سپلائرس ہیڈ آفس ایٹہ میں کام کرنے کے بعد والد کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے سید پور میں پاور کنکشن لے کر اپنا کام شروع کر دیا۔ جو آج تک جاری ہے۔

شاعری کا شوق بچپن سے ہے۔ جب آپ نویں جماعت کے طالب علم تھے تو مدن لال اسکول بسولی میں منعقدہ ایک طرحی مشاعرے میں آپ نے پہلی مرتبہ غزل پڑھی۔ اس مشاعرے کی صدارت سید محمد علی عرف چھدن میاں عرش بسولوی فرما رہے تھے۔ مشاعرے میں شریک دیگر طلبا کے مقابلے میں آپ کی غزل سرفہرست رہی۔ مشاعرے کے بعد صدرِ مشاعرہ نے اپنی تقریر میں کہا تھا کہ وحشی کے اشعار قابلِ داد اس لئے ہیں کہ وہ اسی کی جدوجہد معلوم ہوتی ہے۔ اس غزل کا ایک شعر ملاحظہ فرمائیں۔

یہ جھوٹ ہے اس ہاتھ دے اس ہاتھ کا لینا
ہم دل دیئے بیٹھے ہیں مگر دل نہیں ملتا

وحشی فنِ شاعری میں جوش بدایونی کے تلامذہ میں شامل ہیں۔ آپ کا کلام صاف سلیس اور عام فہم ہے۔ اس میں زندگی کے تلخ و شیریں تجربات بھی نظر آتے ہیں۔

آپ کے والد حکومت برطانیہ کے خلاف تحریکات میں حصہ لینے کے سلسلے میں ۱۹۴۰ء میں ۶ ماہ جیل میں بند رہے اور پچاس روپے جرمانہ ہوا۔

نمونہ کلام

فسانہ اب نئے انداز میں ترتیب دینا ہے
بدلتا جا رہا ہے رنگ پیہم بزم جاناں کا
اڑا دیں دھجیاں پر نوچ ڈالے آشیاں پھونکا
مگر اب تک بھرم باقی ہے اُن کے عہد و پیماں کا

اب کیفِ نور نکہت و رنگِ بہار کیا
جب تم نہیں تو صورتِ صبر و قرار کیا
افسانۂ حیات کا حاصل عُمات ہے
افسانہ تخیلات کہیں بار بار کیا

رہزن کا راہبر کا نہیں فرق کر سکے
منزل ملے ملے نہ ملے اعتبار کیا

کانٹوں پہ ہو شباب کہ پھولوں میں ہو چمک
جب ہم قفس میں ہیں تو خزاں کیا بہار کیا

وحشی تجھے نصیب ہیں صحرا نوردیاں
دنیائے رنگ و بو پہ ترا اختیار کیا

ڈالئے پہلے نظر کوتاہیٔ تدبیر پر
بعد میں الزام رکھیئے کاتبِ تقدیر پر

جانے کیا دیکھا چراغِ صبح کے انجام میں
بے ارادہ اُٹھ گئیں نظریں تری تصویر پر

فصلِ گل تھی تو ہم قفس میں تھے
ہم نے ایسے بھی دن گزارے ہیں

یہ بھی اچھا مذاق تھا وحشی
ہم سمجھ بیٹھے وہ ہمارے ہیں

مچایا شور عنادل نے ہر طرف ایسا
کہ جیسا آج وداعِ بہارِ گلشن ہے

نظام کیسا بگڑنے لگا ہے گلشن کا
جہاں پہ ناگ پھنی ہے وہیں پہ سوسن ہے

رفیق اپنا وہی ہے جو اپنے کام آئے
وہ یار یار ہی کب ہے جو ہم سے بدظن ہے

نگاہِ یار پرکھ لی ہے راہ میں وحشی
الٰہی خیر، مرے کارواں میں رہزن ہے

قطعہ

ساقی کا دل توڑ دیا ہے
ساغر و مینا چھوڑ دیا ہے

واعظ کی تاکید پہ یارو
میں نے پینا چھوڑ دیا ہے

وحشی

نام جگدیش سرن سکسینہ تخلص وحشی ہے۔ ۱۵ مارچ ۱۹۲۲ء کو محلہ میاں کی سرائے بدایوں میں رام بہادر سکسینہ کے گھر پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی۔

اسلامیہ اسکول سے ہائی اسکول کا امتحان پاس کیا۔ انٹرمیجیٹ ہولی پورہ آگرہ سے بی۔ اے اور ادیب کامل متھرا سے پاس کئے۔ ایل ایل بی میں بھی داخلہ لیا مگر مکمل نہ کر سکے۔ وحشیؔ صاحب کا تعلق رئیس و زمیندار گھرانے سے ہے۔ آپ کے چچا بابو کنور بہادر سکسینہ مرحوم میونسپل کمشنر بھی رہے تھے زمینداری ضبط ہو جانے کے بعد آپ بدایوں سے باہر ملازمت کے سلسلے میں ہے آج کل متھرا میں مقیم ہیں۔ محکمۂ ڈاک تار میں ملازم تھے۔ ۱۹۸۰ء میں رٹائرمینٹ لیا۔ وحشیؔ صاحب کی شادی ۱۹۴۶ء میں مین پوری سے ہوئی اور خداوند کریم نے ایک لائق بیٹی سے نوازا۔ لیکن ۱۹۷۹ء میں وہ انہیں داغ مفارقت دے گئی بیٹی کی موت کے عظیم حادثہ نے آپ کی زندگی کو بجھا کر رکھ دیا ہے۔ آپ کو اپنے وطن بدایوں سے محبت ہے۔ آپ کی اہلیہ ابھی متھرا میں ملازم ہیں۔ ان کے رٹائرمینٹ کے بعد بدایوں میں سکونت اختیار کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

وحشیؔ صاحب کی پرورش خالص ادبی ماحول میں ہوئی۔ آپ کے چچا بابو کنور بہادر کے دولت کدہ پر ہندوستان کے صفِ اوّل کے شعرا تشریف لاتے تھے۔ کئی مرتبہ جگرؔ مرادآبادی (ف ۱۹۶۰ء) کا قیام آپ کے یہاں رہا۔ ایسے ماحول نے آپ کی شخصیت کو متاثر کیا اور آپ کا ذہن ابتدا سے ہی اس طرف راغب ہوا۔ شرفِ تلمذ عالم فتحپوری سے حاصل ہے۔ متھرا کے مشاعروں میں کثرت سے شرکت فرماتے ہیں۔ وحشیؔ صاحب کا کلام سلجھا ہوا ہے۔ زبان صاف و شستہ ہے۔ اشعار میں سوز و گداز، یاس و حسرت پائی جاتی ہے۔

نمونہ کلام

اصل میں وہ امینِ الفت ہیں ۔۔۔ جن کے لب پر گلا نہیں ہوتا
آپ کی بات جب بھی چھڑتی ہے ۔۔۔ پھر کوئی تذکرہ نہیں ہوتا

یہ سودائے زلفِ پریشاں کب تک آخر آخر کب تک
پارہ دامن چاک گریباں کب تک آخر آخر کب تک
اُن کو نازِ حسن و جوانی ہم کو پاسِ وضع ہے وحشی
باقی رہتے عہد و پیماں کب تک آخر آخر کب تک

نقدِ حیات زندگی راہِ وفا میں وار کر
آج مریض چل دیا شامِ الم گزار کر
جور و ستم نہ ہوں جہاں رنج و الم نہ ہوں جہاں
دیر و حرم نہ ہوں جہاں راہ وہ اختیار کر

آبروئے میکشی ہے اب نہ پیمانے کا نام
آج کے ساقی سے ہے بدنام میخانے کا نام
پھر اُنہیں شاید کوئی تازہ جفا یاد آ گئی
مُسکرا کر لے رہے ہیں اپنے دیوانے کا نام
کاروبارِ کیف و مستی میکشوں کے دم سے ہے
مُفت میں مشہور کر رکھا ہے میخانے کا نام
اس کو اعجازِ جنوں سمجھوں یا حسنِ اتفاق
آ گیا اُن کی زباں پر آج دیوانے کا نام

یہ خزاں میں بھی گل کھلاتا ہے
عشق شرمندۂ بہار نہیں
ہے وہی اصل میں اسیرِ بلا
جو گرفتارِ زلفِ یار نہیں

نکل کر کارواں سے چل دیئے ہم سوئے میخانہ
بلاتی رہ گئی اُٹھ اُٹھ کے گردِ کارواں ہم کو
ہمیں نے خونِ دل سے میکدے میں روشنی کی ہے
نہیں دیتا مگر اک جام بھی پیرِ مغاں ہم کو
عدم سے زندگی دنیا میں لے آئی ہمیں وحشی
نہ جانے اب کہاں لے جائے مرگِ ناگہاں ہم کو

ہو سکے تو آخری لے لے سلامِ زندگی
اب تو آ جا ہو گیا لبریز جامِ زندگی
زندگی کچھ بھی نہیں ہے اے غلامِ زندگی
چند روزہ زندگی پہ اہتمامِ زندگی

رونے والے اپنے اشکوں کو تبسم سے سکھا
کر رہا ہے کس لئے بدنام نام زندگی

کوئی غریب خانے سے پیاسا نہیں گیا
مسلک میں ہم غریبوں کے دریا دلی رہی
جو جانِ زندگی تھا اُسے چھوڑنا پڑا
اب زندگی رہی بھی تو کیا زندگی رہی

کشتی ڈوبے گی نہیں اس کی رضا سے پہلے
ناخدا پوچھ تو لے میرے خدا سے پہلے
دم نکلتا ہوا رُک جائے گا آنکھوں میں مری
آپ آئیں نہ عیادت کو قضا سے پہلے

تو اپنے منہ سے دیوانہ ہی کہہ دے
ترے وحشیؔ کی تجھ سے آبرو ہے

تم کچھ تو کرو آکر جھوٹی ہی تسلی دو
شاید کہ دلِ ناداں باتوں میں بہل جائے
کہنے کو مرا آنسو اک بوند ہے پانی کی
موتی ہے اگر اُن کے دامن پہ مچل جائے
دنیا تو ہے دیوانی کہتی ہے اُسے وحشیؔ
جو ہوش کی منزل سے آگے نکل جائے

برق سے جلنے کو ہو جائے قریب
آشیاں اونچا بنانا چاہیئے
آہ کرنا عشق کی توہین ہے
ہر خلش پر مسکرانا چاہیئے

ہم نے دھوکا کبھی نہیں کھایا
سامنے سیکڑوں سراب آئے
اُن کو خط بھیج تو دیا وحشیؔ
دیکھنا ہے کہ کیا جواب آئے

وحشی

کرشن موہن جوہری وحشی کا جنم ۳ر فروری ۱۹۲۳ء کو محلہ چوبے بدایوں میں ہوا
آپ کے والد ماجد کا نام بابو لال بہادر تھا جو مختار تھے۔ آپ کی تعلیم و تربیت بدایوں
میں ہی ہوئی۔ وحشی صاحب کا تعلق کائستھوں کے ایک خوشحال گھرانے سے ہے۔ وحشی
صاحب کرکٹ کے اچھے کھلاڑی بھی رہ چکے ہیں۔ تعلیم سے فراغت کے بعد آپ
معاشی مسائل کے سلسلے میں لکھنؤ، ہاتھرس، متھرا اور فتح گڑھ میں لمبے عرصے تک
رہے۔ وحشی صاحب کی شادی ۱۹۴۴ء میں ہوئی۔ اولاد میں دو لڑکے اور چار لڑکیاں
ہیں۔ بڑے صاحبزادے جناب راج کمار جوہری بینک منیجر ہیں اور دوسرے
دھرو کمار جوہری وکیل ہیں۔

وحشی صاحب کی ادبی زندگی کا آغاز ۱۹۳۹ء میں ہوا۔ شرفِ تلمذ لکشمی نرائن جوہر
بدایونی سے حاصل ہے۔ آپ شاعری میں لکھنؤ اسکول کے پیرو ہیں۔ لکھنؤ قیام
کے دوران آپ "انجمن محافظ اُردو" کے ممبر تھے۔ اس انجمن کی ایک برانچ وحشی صاحب
نے بدایوں میں ۵۱-۱۹۵۰ء میں قائم کی تھی اس کے علاوہ آپ کئی اور انجمنوں سے
وابستہ رہے۔ آپ کو رفیع احمد قدوائی، کیشو دیو مالویہ، گوبند سہائے اور تریلوکی سنگھ
کا قرب حاصل رہا ہے۔

وحشی کا ایک شعری مجموعہ "قطرے" کے عنوان سے ۱۹۸۴ء میں فخرالدین
علی احمد میموریل کمیٹی حکومت اُتر پردیش کے مالی تعاون سے شائع ہو چکا ہے
جسے اتر پردیش اردو اکادمی نے انعام سے بھی نوازا ہے۔ "قطرے" کے شروع میں
وحشی صاحب نے اُردو کے بارے میں تحریر فرمایا ہے۔

اُردو ایک ایسی شراب ہے جو ایک بار منہ کو لگ جائے تو زندگی بھر
اس کا نشہ نہیں اترتا۔ یہ زبان برسہا برس سے ہماری مادری زبان رہی

ہے اور بحمد اللہ آج بھی ہم سب اس کی زلفِ پیچاں کے اسیر
ہیں جس کا ثبوت "قطرے" کی شکل میں آپ کے پیشِ نظر ہے"۔

وحشی صاحب، وحشی کانپوری، فانی بدایونی کے کلام سے متاثر ہیں۔ آپ نے ۶۵-۱۹۶۴ء میں ایک اخبار سنکیت (संकेत) کے نام سے جاری کیا تھا۔ جو ۱۹۷۶ء تک شائع ہوتا رہا۔

وحشی صاحب کے کلام میں حسن و عشق، فراق و وصل کی داستانوں کے ساتھ ساتھ موجودہ زمانے اور حالات کی عکاسی بھی ملتی ہے۔

نمونہ کلام

سفر سے زندگی کے تھک گیا ہوں
ضرورت اب مجھے آرام کی ہے

مجھے کچھ تبصرہ کرنا ہے حالاتِ زمانہ پر
مزاجِ گردشِ دوراں بدل جاتا تو اچھا تھا

جو لوگ زہر نگلتے ہیں ان سے خوف نہیں
مگر ہم آپ کی شیریں زباں سے ڈرتے ہیں

وہ سوئے ہیں دنیا کو جگا کر ابھی وحشی
کہہ دو کہ ابھی نورِ سحر دیر سے جاگے

ابھی چراغوں کو محفوظ رکھو آنکھو میں
انہیں سے غم کے اندھیروں میں روشنی ہوگی

اُن کے چہرے کو پڑھتے ہیں یُوں لوگ
میرے خط کا جواب ہو جیسے

ہم ایسے میکدے کی سمت دیکھا بھی نہیں کرتے
جہاں توبہ کی زد میں آ گیا ہو جب کلام خودداری

جرمِ وفا کی کوئی سزا اور دیجئے
ترکِ تعلقات مناسب سزا نہیں

ہمسفر بن کے مرے ساتھ چلو منزل تک
راہ تو راستہ چلتے بھی بتا دیتے ہیں

غیر کیوں اس کو سمجھتے ہیں مری رسوائی
دوستوں نے مرے حالات کی شہرت کی ہے

ایسے گھر آج بھی ہیں دنیا میں
جن کے دیوار و در نہیں بدلے

ہوا وہ کامیاب جستجو دنیا میں کب وحشیؔ
کہ جس نے فکر کی آغاز کی انجام سے پہلے

قطعات

برقِ پھر کوند رہی ہے سرِ گلشن لوگو
یہ نشیمن نیا تعمیر نہ ہونے دیگی
خواب جو اہلِ چمن دیکھ رہے ہیں وحشیؔ
ان کو شرمندہ تعبیر نہ ہونے دیگی

کیا خبر کتنی دور ہے منزل
زندگی مستقل سفر میں ہے
سیکڑوں سال ہو گئے چلتے
آدمی اب بھی رہگذر میں ہے

عکسِ ویراں ہیں سرخیاں اس میں
زندگی کے حسیں فسانے کی
قلبِ شاعر ہے ایک آئینہ
شعر تصویر ہے زمانے کی

ماخذ۔ "قطرے"

ورما

انبا پرشاد ورما نام اور ورما تخلص ہے آپ ۳ جولائی ۱۹۱۶ء کو منشی

بھو گچند کے گھر عثمان پور تحصیل سہسوان ضلع بدایوں میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم ورناکیولر مڈل اسکول سہسوان میں حاصل کی۔ ۱۹۳۱ء میں گورنمنٹ ہائی اسکول بدایوں سے ہائی اسکول کا امتحان پاس کیا۔ ابتدا میں محکمہ زراعت میں جونیر اے سی ڈی ہو گئے۔ اس کے بعد میونسپل بورڈ سہسوان میں ہیڈ کلرک اور وہیں مسلسل ۵ سال ایگزیکیوٹو آفیسر (قائم مقام) رہ کر ۲۲ جولائی ۱۹۷۴ء کو رٹائر ہوئے۔ آجکل جھیانی میں مقیم ہیں۔

شعر و شاعری کا ذوق طالب علمی کے زمانے سے ہے۔ آپ کے والد بھی ادبی ذوق رکھتے تھے۔ ورماجی کا شعری مجموعہ "نکہتِ وطن" حال ہی میں فخرالدین علی احمد میموریل کمیٹی کے مالی اشتراک سے شائع ہوا ہے۔ ورماجی کے کلام میں وطن پرستی، انسان دوستی کا جذبہ موجود ہے۔

نمونہ کلام

قطعہ

نہ کیوں کر کروں دل سے میں قدردانی ۔۔۔ بڑھاپا ملا مجھ کو دے کر جوانی
جوانی نے رستے میں چھوڑا تھا ورنہ ۔۔۔ مگر ساتھ دے گا یہ تا زندگانی

چمن مرجھا رہا ہے موسمِ جورِ خزاں بدلو ۔۔۔ لبِ ساحل نہ ہو کشتی تو ساحل کا نشاں بدلو

میں شاخِ گل کا دلی احترام کرتا ہوں ۔۔۔ نظارہ اس میں ترا صبح و شام کرتا ہوں

ترے اشارے سے ذرّے پہاڑ بن جائیں ۔۔۔ ترے کرم سے زمیں آسمان ہو جائے
وطن کے خار گلوں سے بھی ہیں عزیز مجھے ۔۔۔ خدایا باغِ جناں سہسوان ہو جائے

اب تو کھادی کی جگہ لے لی ہے ٹیرالین نے
دلکشی میں کھدّر کی وہ سستی قبائیں اب کہاں

وکل

کیشل چندر رستوگی نام اور وکل تخلص ہے۔ ۳۰ر جنوری ۱۹۵۶ء کو بدایوں کے مشہور رستوگی خاندان کے فرد جناب سری شیو چندر رستوگی (ف ۱۹۷۸ء) کے یہاں پیدا ہوئے وکل صاحب نے انٹرمیڈیٹ تک تعلیم گورنمنٹ انٹر کالج بدایوں میں حاصل کی۔ مزید تعلیم کی غرض سے میرٹھ کالج میرٹھ میں داخل ہوئے اور وہاں سے ۱۹۷۳ء میں بی ایس سی کی ڈگری لی۔ ۲۴ر نومبر ۱۹۸۱ء کو آپ کی شادی ہوئی۔ اولاد میں دو صاحبزادے ششر رستوگی اور مارشل رستوگی ہیں۔ وکل صاحب کا پیشہ تجارت ہے۔

وکل صاحب نے ۱۹۷۰ء میں ہندی شاعری شروع کی۔ ۱۹۸۵ء سے اردو میں شعر کہہ رہے ہیں۔ مشاعروں میں شرکت کرتے ہیں۔ شرف تلمذ جناب ذکی تال گانوی سے حاصل ہے۔ آپ کے کلام میں حالاتِ حاضرہ کی عکاسی ملتی ہے۔

نمونۂ کلام

گمراہ کو تم راہ دکھا کیوں نہیں دیتے
منزل کا پتہ اس کو بتا کیوں نہیں دیتے

اب اپنی محبت پہ بھی شک ہونے لگا ہے
وہ میری وفاؤں کا صلہ کیوں نہیں دیتے

ہزار خوشیاں زمانے کی جو نہ کر پائیں !
ترا سلوک ذرا سادہ کام کر گزرا !

یہ آدمی نہیں انسان جنہیں بستے ہوں
مری نظر سے نہ ایسا کوئی نگر گزرا

ہم جانتے تھے کون پڑھے گا کتاب دل
صفحات پھر بھی چند بچا کر لئے چھپے

پیاسا ہمیں نہ کوئی زمانے میں مل سکا
ہم دل میں اپنے پیار کا ساگر لئے پھرے

یہ محبت کے محلوں کی بنیاد ہیں
کیوں جلاتے ہو مرے خطوں کے لئے

رنگ لے آئے گی شاعری آپ کی جاری رکھیئے وکل کوششوں کے لئے

سانس آزادی سے لینا بھی جہاں دشوار ہو ایسے محلوں سے تو اپنی جھونپڑی اچھی لگے
کوئی مانے یا نہ مانے بات یہ سچ ہے وکل زندگی کے ساز پر ہر راگنی اچھی لگے

وھبی

ہر سہائے نام وہبی تخلص تھا۔ آپ کے والد کا نام منشی لال رائے تھا۔ وہبی کائستھ گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ سہسوان ضلع بدایوں کے رہنے والے تھے۔ ۱۷۵۳ء تک آپ کی زندگی کا پتہ چلتا ہے

وہبی نے مرصع اور مرقع کے نام سے انشا کے دو مجموعے مرتب کئے تھے۔ آپکو فنِ تاریخ گوئی میں غیر معمولی کمال حاصل تھا۔ نواب نجیب الدولہ کے لڑکے کی شادی کے موقع پر انھوں نے ایک قصیدہ لکھا تھا جس کے ہر مصرعہ سے ۱۱۸۰ھ برآمد ہوتے تھے۔ کمال یہ تھا کہ دونوں مصرعوں کے حروف منقوط اور حروف مہملہ کے اعداد بھی برابر تھے یعنی دونوں مصرعوں کے حروف منقوطہ کے اعداد ۱۱۸۰ھ ہوتے تھے اور حروفِ مہملہ کے بھی۔

نمونۂ کلام

میخوارہ را بہ توبہ عصیاں چہ حاجت است
زہد و ریا بمشربِ رنداں چہ حاجت است

وہبی جو منیع شیوہ رندی کنند خلق
من کے دریں معاملہ تقصیر می کنم

ماخذ۔ تجلیاتِ سخن۔ مکتوب ڈاکٹر ضیغم نقوی سہسوانی

ہمت

ہمت سنگھ ہمتؔ کائستھ گھرانے کے فرد تھے۔ زیادہ حالات دریافت نہ ہو سکے

نمونۂ کلام

دل ساتھ لے چلے ہو خبردار دیکھنا ہرگز نہ کیجیو اُسے بیزار دیکھنا
زاہد گلی میں رندوں کی آتا تو ہے ولے رسوا نہ ہو یہ جبہ و دستار دیکھنا

ماخذ۔ طبقات الشعراء

نوٹ۔ کتابت کے دوران جن شعراء کی تفصیلات حاصل ہوئیں وہ درج کی جاتی ہیں

احقر

کیدار ناتھ نام احقرؔ تخلص تھا۔ آپ کی مندرجہ ذیل کتابیں شائع ہوئیں
(۱) مثنوی "سرورِ عشق" (۱۸۹۲ء) طبع وکٹوریہ پریس بدایوں۔ (۲) جوہر سہا (۱۸۹۳ء) مطبع نظامی بریلی۔ (۳) مثنوی "عشق افروز"۔ مطبع رضوی بدایوں

نمونۂ کلام

ہے تقاضا دل کا لکھ حمدِ خدا وہ مثل ہے چھوٹا منہ مطلب بڑا
اے خدا کر تو عطا طبع رسا تاکہ لکھوں اپنے دل کا مدعا

بخت

دیا سروپ نگم نام تھا اور بختؔ تخلص۔ پٹیالی سرائے بدایوں کے رہنے والے تھے۔ لکشمی نرائن جوہر بدایونی کے شاگرد تھے۔ ۳۰ سال کی عمر میں ۱۹۴۳ء میں انتقال ہوا

نمونہ کلام

مجھے ضد ہے کہ داغِ دل میں عکسِ حسنِ گل دیکھوں
اُسے ہٹ ہے کہ میں اتنا نمایاں ہو نہیں سکتا

بسمل

ایچ۔ ڈبلیو۔ تواری بسملؔ مولانا برباد کے شاگرد تھے۔ مزید حالات دریافت نہ ہو سکے۔

نمونہ کلام

میں کس سے کہوں مجھ سے تقریر نہیں ہوتی
ایذائے دلِ مضطر تحریر نہیں ہوتی

موت آ بھی گئی ہوتی تنہائیِ فرقت میں
اِس دل میں اگر تیری تصویر نہیں ہوتی

گر جاتی ہے جس دم یہ دیوارِ تنِ خاکی
پھر اِس کی کبھی بسملؔ تعمیر نہیں ہوتی

معراج الکلام مئی تا جولائی ۱۹۲۵ء

رانا

پرتاپ سنگھ نام تھا اور راناؔ تخلص کرتے تھے۔ زیادہ حالات دریافت نہ ہو سکے

نمونہ کلام

وہ اُٹھا آخر انا خود ہی بھر کر جام لے آیا
مری آمد کی جب پیر مغاں تک بات جا پہنچی

ابھی میں نے کیا تھا قصدِ تعمیر نشیمن ہی
سیہ بختی کہ یہ برقِ تپاں تک بات جا پہنچی

مساجد میں بھی چرچا ہے ہماری مے گساری کا
کہاں کی بات تھی لیکن کہاں تک بات جا پہنچی

بھرم توڑا ہے راناؔ اس جنوں نے اپنی اُلفت کا
کہ ہر اک مہرباں نامہرباں تک بات جا پہنچی

ساز

کرشن بہاری ورما نام اور ساز تخلص ہے ۔ انجم فوقی بدایونی (مقیم کراچی) سے اصلاح لیتے تھے ۔

نمونۂ کلام

تبسم زیر لب چہرہ کتابی شربتی آنکھیں
لبِ نازک پہ اک ہلکی سی جنبش مسکراہٹ کی

فدا سو جان سے اس پر بہارِ صبح رعنائی
غرورِ حسن کی ٹھوکر میں اعجازِ مسیحائی

وہ شعراء جن کی تفصیلات دریافت نہ ہو سکیں

نمبر شمار	تخلص	نام
۱.	بیخود	تیز بھینی سہائے
۲.	جفا	شیو نرائن
۳.	حسرت	مول چندر
۴.	حسرت	رمیش چندر جوہری
۵.	ذوقی	ذوقی رام (صاحبِ دیوان تھے)
۶.	سوز	دیا سروپ
۷.	شاد	رام داس
۸.	فریاد	شیام بہاری لال
۹.	فینسی	گوپی ناتھ
۱۰.	کشتہ	شیو پرشاد
۱۱.	مخلص	پریم شنکر
۱۲.	ملک	شنکر دیال (ایک واسوخت شائع ہوا تھا)
۱۳.	موجد	سکھن لال

ماخذ

نمبر شمار	نام کتاب	سن اشاعت	نام مصنف / مرتب
۱۔	واسوخت نمک (اول)	۱۸۶۸ء	رام جی مل نمک
۲۔	مثنوی انجرۂ عشق	۱۸۷۰ء	گردھاری لال عاجز
۳۔	سائیں کے سو خیالات	۱۸۷۶ء	گیندن لال گوہر
۴۔	معیار البلاغت	۱۸۸۵ء	دیبی پرشاد سحر
۵۔	واسوخت نمک ثانی	۱۸۸۶ء	نمک بدایونی
۶۔	دیوان منشی رام دیال رسا	۱۸۹۰ء	گیندن لال گوہر
۷۔	مثنوی خنداں	۱۸۹۳ء	خیراتی لال خنداں
۸۔	دیوانِ حضرت	۱۹۰۰ء	دھرم نرائن حضرت
۹۔	مجموعہ تعزیراتِ ہند	۱۹۰۱ء	منگل سین فارغ
۱۰۔	خمخانۂ جاوید اول تا پنجم		لالہ سری رام
۱۱۔	بحر الفصاحت دوسرا ایڈیشن	۱۹۲۷ء	نجم الغنی رام پوری
۱۲۔	تجلیات سخن	۱۹۲۹ء	نظامی بدایونی
۱۳۔	ہندو شعراء	۱۹۳۱ء	عشرت لکھنوی
۱۴۔	سخنستان	۱۹۳۲ء	رام گوپال مصر
۱۵۔	گلدستہ نعت رسول	۱۹۳۹ء	الٹن جون مخلص
۱۶۔	گلدستہ مشاعرہ بدایوں	۱۹۴۳ء	
۱۷۔	ابھینندن گرنتھ جوش ملسیانی	۱۹۵۷ء	
۱۸۔	نغمۂ محبت	۱۹۵۷ء	چھٹن قوال
۱۹۔	میری اصلاحیں حصہ اول	۱۹۵۶ء	[illegible] حسنی گنوری

۲۰۔ درشنانند درشن (ہندی) ۱۹۵۹ء۔ شری رام شرما

۲۱۔ آئینۂ جوہر۔ ۱۹۶۱ء ۔ اوما شنکر شمیم

۲۲۔ لعل و گوہر۔ ۱۹۶۱ء ۔

۲۳۔ شہرِ نگاراں۔ ۱۹۶۸ء ۔ منزلؔ لوہا ٹھیری

۲۴۔ انکھوت۔ ۱۹۷۰ء ۔ نریندر دیو شاستری

۲۵۔ میخانۂ جامی۔ ۱۹۷۰ء ۔ عرفان زیدی

۲۶۔ بدایوں کے سوتنتر تا سینانی۔ ۱۹۷۴ء۔ رگھوبیر سہائے

۲۷۔ کلامِ صہبائی (ہندی)۔ ۱۹۸۰ء۔ ڈاکٹر ہریش بابو سکسینہ

۲۸۔ تذکرہ شعرائے اتر پردیش سوم۔ ۱۹۸۳ء۔ عرفان عباسی

۲۹۔ اُردو کے ہندو مثنوی نگار۔ ۱۹۸۳ء۔ عطاء اللہ پالوی۔

۳۰۔ اردو کے مسیحی شعراء۔ ۱۹۸۳۔ قربانؔ مرادآبادی

۳۱۔ موجِ گنگ۔ ۱۹۸۳ء۔ جوہرؔ دیوبندی

۳۲۔ قطرے۔ ۱۹۸۴ء۔ وحشیؔ بدایونی

۳۳۔ جہانِ ادب۔ ۱۹۸۲ء۔ منزلؔ لوہا ٹھیری

۳۴۔ نغمۂ ناقوس۔ ۱۹۸۵ء۔ جوہرؔ دیوبندی

۳۵۔ چند یادگار مشاعرے ۱۹۸۶ء۔ ذکیؔ تالگانوی

۳۶۔ سوغاتِ ناداں۔ ۱۹۷۴ء۔ ناداںؔ الٰہ آبادی

۳۷۔ بدایوں اِسمار کا۔ ۱۹۸۱ء

رسائل و جرائد

رسائل:۔

رسالہ	شمارہ
۱۔ ماہنامہ احسن رام پور	اکتوبر ۱۹۵۱ء، فروری ۱۹۵۳ء
۲۔ ماہنامہ شاعر آگرہ	اپریل ۱۹۴۴ء، مئی ۱۹۴۴ء
۳۔ رہنمائے تعلیم دہلی	دسمبر ۱۹۷۰ء
۴۔ ماہنامہ چمن سخن بدایوں	اکتوبر ۱۸۸۴ء
۵۔ دوماہی۔ اکاڈمی لکھنؤ	جنوری، فروری ۱۹۸۴ء
۶۔ قومی زبان کراچی	مارچ، اپریل ۱۹۶۵ء
۷۔ ماہنامہ پروانہ بدایوں	جون ۱۹۶۱ء
۸۔ اسلامیہ کالج میگزین بدایوں	۱۹۵۲-۵۳ء
۹۔ مومن۔ بدایوں	اگست ستمبر ۱۹۸۰ء
۱۰۔ معراج الکلام	مئی تا جولائی ۱۹۲۵ء

اخبارات

اخبار	شمارہ
۱۔ ہماری زبان دہلی	یکم اکتوبر ۱۹۸۵ء
۲۔ قومی آواز۔ لکھنؤ	۱۷ جولائی، ۳۰ اکتوبر ۱۹۸۳ء